ٹائٹل پیج طبع اول

حصہ دوم رسالہ فتح اسلام از تالیفات مجدد دوران و مسیح الزمان مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان جس کا نام نامی ہے

الہامی

توضیح مرام

الہامی

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے ۔ جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا

الہامی

حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب ۔ خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا

در مطبع ریاض ہند امرتسر باہتمام شیخ نور احمد مالک مطبع کے طبع ہوا

اعلان

اس رسالہ کے بعد ایک اور رسالہ بھی
چند روز میں طبع ہو کر طیّار ہو جائے گا
جس کا نام ازالہ اوہام ہے
وہ رسالہ فتح اسلام کا تیسرا
حصّہ ہے۔

المعلن مرزا غلام احمد عفی عنہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی

مسیح کا دوبارہ دُنیا میں آنا

مسلمانوں اور عیسائیوں کا کسی قدر اختلاف کے ساتھ یہ خیال ہے کہ ”حضرت مسیح بن مریم اِسی عنصری وجود سے آسمان کی طرف اُٹھائے گئے ہیں اور پھر وہ کسی زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے۔“ میں اس خیال کا غلط ہونا اپنے اِسی رسالہ میں لکھ چکا ہوں اور نیز یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ اس نزول سے مراد درحقیقت مسیح بن مریم کا نزول نہیں۔ بلکہ استعارہ کے طور پر ایک مثیل مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے جس کا مصداق حسب اعلام والہام الٰہی یہی عاجز ہے اور مجھے یقیناً معلوم ہے کہ میری اس رائے کے شائع ہونے کے بعد جس پر میں بیّناتِ الہام سے قائم کیا گیا ہوں بہت سی قلمیں مخالفانہ طور پر اُٹھیں گی اور ایک تعجب اور انکار سے بھرا ہوا شور عوام میں پیدا ہوگا۔ اور میرا ارادہ تھا کہ بالفعل میں کلام کو طول دینے سے مجتنب ہوں اور اعتراضات کے پیش ہونے کے وقت اُنکے دفع رفع کے لئے مفصل وجوہات و دلائل جیسے معترضین کے خیالات کے حالات موجود ہوں پیش کروں لیکن اب مجھے اس ارادہ میں یہ نقص معلوم ہوتا ہے کہ میری کوتاہ قلمی کی حالت میں نہ صرف عوام الناس بلکہ مسلمانوں کے خواص بھی جو اُن کے بعض مولوی ہیں بباعث اپنے قصور فہم کے جو اُن کی حالت متنزلہ کو لازم پڑا ہوا ہے اور نیز بوجہ متاثر ہونے کے ایک پرانے خیال سے خواہ نخواہ میری بات کو رد کرنے کیلئے مدعیانہ کھڑے ہوں گے اور اپنے دعوے کے طرفدار بنکر بہرحال اُسی دعوے کی سچائی ثابت ہو جانا

چاہیں گے پس مدعی ہو کر مقابل پر کھڑے ہو جانا اُن کے لئے سخت حجاب ہو جائے گا جس سے باہر نکلنا اور اپنی مشہور کردہ رائے سے رجوع کرنا اُن کے لئے مشکل بلکہ محال ہو گا۔ کیونکہ ہمیشہ یہی دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی مولوی ایک رائے کو علیٰ رؤس الاشہاد ظاہر کر دیتا ہے اور اپنا فیصلہ ناطق اُسکو قرار دیتا ہے تو پھر اس رائے سے عود کرنا اُسکو موت سے بدتر دکھائی دیتا ہے۔ لہٰذا میں نے ترحمًا للہ یہ چاہا کہ قبل اس کے کہ وہ مقابل پر آکر ہٹ اور ضد کی بلا میں پھنس جائیں آپ ہی اُنکو ایسے[^۱] صاف اور مدلّل طور پر سمجھا دیا جائے کہ جو ایک دانا اور منصف اور طالبِ حق کی تسلی کیلئے کافی ہو۔ اگر بعد میں پھر لکھنے کی ضرورت پڑے گی تو شاید ایسے لوگوں کے لئے وہ ضرورت پیش آوے کہ جو غایت درجہ کے سادہ لوح اور غبی ہیں جن کو آسمانی کتابوں کے استعارات مصطلحات و دقائق تاویلات کی کچھ بھی خبر بلکہ مس تک نہیں اور لایمسہ کی نفی کے نیچے داخل ہیں۔

اب پہلے ہم صفائی بیان کے لئے یہ لکھنا چاہتے ہیں کہ **بائیبل** اور ہماری احادیث اور اخبار کی کتابوں کے رو سے جن نبیوں کا اِسی وجود عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا تصوّر کیا گیا ہے وہ دو[^۲] نبی ہیں ایک یوحنّا جس کا نام ایلیا اور ادریس[^۹] بھی ہے۔ دوسرے مسیح ابن مریم جن کو عیسیٰ اور یسوع بھی کہتے ہیں۔ ان دونوں نبیوں کی نسبت عہد قدیم اور جدید کے بعض صحیفے بیان کر رہے ہیں کہ وہ دونوں آسمان کیطرف اُٹھائے گئے اور پھر کسی زمانہ میں زمین پر اُتریں گے اور تم اُن کو آسمان سے آتے دیکھو گے۔ ان ہی کتابوں سے کسی قدر ملتے جلتے الفاظ احادیث نبویہ میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن حضرت ادریس[^۱۲] کی نسبت جو بائیبل میں یوحنّا یا ایلیا[^۱۱] کے نام سے پکارے گئے ہیں انجیل میں یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ یحییٰ ابن زکریا کے پیدا ہونے سے اِن کا آسمان سے اُترنا وقوع میں آگیا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح صاف صاف الفاظ میں فرماتے ہیں کہ "یوحنّا جو آنیوالا تھا یہی ہے چاہو تو قبول کرو" سو ایک نبی کے محکمہ سے ایک آسمان پر جانے والے اور پھر کسی وقت اُترنے والے یعنی یوحنّا کا مقدمہ

(حاشیہ: سہو — سہو)

(حاشیہ: دیکھو انجیل متی ۱۱ باب ۱۴ آیت، ۱۳ ۱۴ ۱۷)

سہو وسہو الیاس پڑھا جائے۔ شمس

تو انفصال پاگیا اور دوبارہ اُترنے کی حقیقت اور کیفیت معلوم ہوگئی۔ چنانچہ تمام عیسائیوں کا متفق علیہ عقیدہ جو انجیل کے رُو سے ہونا چاہیئے یہی ہے کہ یوحنا جس کے آسمان سے اُترنے کا انتظار تھا وہ حضرت مسیح کے وقت میں آسمان سے اس طرح پر اُتر آیا کہ زکریا کے گھر میں اُسی طبع اور خاصیت کا بیٹا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا۔ البتہ یہودی اس کے اُترنے کے اب تک منتظر ہیں اُن کا بیان ہے کہ وہ سچ مچ آسمان سے اُترےگا۔ اوّل بیت المقدس کے مناروں پر اُس کا نزول ہوگا۔ پھر وہاں سے یہودی لوگ اکٹھے ہوکر اسکو کسی نردبان وغیرہ کے ذریعہ سے نیچے اُتارلیں گے اور جب یہودیوں کے سامنے وہ تاویل پیش کی جائے جو حضرت مسیح علیہ السلام نے یوحنا کے اُترنے کے بارے میں کی ہے تو وہ فی الفور غصہ سے بھر کر حضرت مسیح اور ایسے ہی حضرت یحییٰ کے حق میں ناگفتنی باتیں سُناتے ہیں اور اُس نبی کے فرمودہ کو ایک ملحدانہ خیال تصور کرتے ہیں بہر حال آسمان سے اُترنے کا لفظ جو تاویل رکھتا ہے مسیح کے بیان سے اُس کی حقیقت ظاہر ہوئی اور اُنہی کے بیان سے یوحنا کے آسمان سے اُترنے کا جھگڑا طے ہوا اور یہ بات کھل گئی کہ آخر اُترے تو کس طرح اُترے۔ مگر مسیح کے اُترنے کے بارے میں ابتک بڑے جوش سے بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عمدہ اور شاہانہ پوشاک قیمتی پارچات کی پہنے ہوئے ※ فرشتوں کے ساتھ آسمان سے اُتریں گے۔ مگر اِن دو قوموں کا اس پر اتفاق نہیں کہ کہاں اُتریں گے۔ آیا مکہ معظمہ میں یا لندن کے کسی گرجا میں یا ماسکو کے شاہی کلیسا میں۔ اگر عیسائیوں کو پُرانے خیالات کی تقلید رہزن نہ ہو تو وہ مسلمانوں کی نسبت بہت جلد سمجھ سکتے ہیں کہ مسیح کا اُترنا اِسی تشریح کے موافق چاہیئے جو خود حضرت مسیح کے بیان سے صاف لفظوں میں معلوم ہو چکی ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ

※ **حاشیہ** یہ پارچات از قسم پشمینہ یا ابریشم ہوں گے؟ جیسے چوڑیا۔ گلبدن۔ اطلس۔ کمخواب۔ زربفت۔ زری لاہی یا معمولی سوتی کپڑے جیسے نینسوکہ۔ تن زیب۔ اینگ جکن۔ گلشن۔ ململ۔ جالی۔ خاصہ۔ ڈوریا۔ چارخانہ اور کس نے آسمان میں بُنے اور کس نے سیئے ہونگے۔ ابتک کسی نے مسلمانوں یا عیسائیوں میں سے اس کا کچھ پتہ نہیں دیا۔ منہ

ایک ہی صورت کے دو امر دو متناقض معنوں پر محمول ہو سکیں یہ بات اہل الرائے کے غور کے قابل ہے کہ اگر حضرت مسیح کی وہ تاویل جو انہوں نے یوحنا کے آسمان سے اُترنے کی نسبت کی ہے فی الواقع صحیح ہے تو کیا حضرت مسیح کے نزول کے مقدمہ میں جو اسی پہلے مقدمہ کا ہمشکل ہے اسی تاویل کو کام میں نہیں لانا چاہیئے۔ جس حالت میں ایک نبی اس سربستہ راز کی اصل حقیقت کھول چکا ہے اور قانونِ قدرت بھی اسی کو چاہتا اور اسی کو مانتا ہے تو پھر اس صاف اور سیدھی راہ کو چھوڑ کر ایک پیچیدہ اور قابلِ اعتراض راہ اپنی طرف سے کھودنا کیونکر قبول کرنے کے لائق ٹھہر سکتا ہے۔ کیا ذی علم اور ایماندار لوگوں کا کانشنس جس کو مسیح کے بیان سے بھی پوری پوری مدد مل گئی ہے کسی اور طرف اپنا رخ کر سکتا ہے۔ اور مسیحی لوگ تو اِس وقت سے دس برس پہلے اپنی یہ پیشگوئی بھی انگریزی اخباروں کے ذریعہ سے شائع کر چکے ہیں کہ تین برس تک مسیح آسمان سے اُترنے والا ہے۔ اب جو خدا تعالیٰ نے اُس اُترنے والے کا نشان دیا تو مسیحیوں پر لازم ہے کہ سب سے پہلے وہی اُس کو قبول کریں تا اپنی پیشگوئی کے آپ ہی مکذب نہ ٹھہریں۔

مٹ

عیسائی لوگ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ حضرت مسیح اُٹھائے جانے کے بعد بہشت میں داخل ہو گئے۔ لوکا کی انجیل میں خود حضرت مسیح ایک چور کو تسلی دیکر کہتے ہیں کہ ”آج تو میرے ساتھ بہشت میں داخل ہوگا“ ✚ اور عیسائیوں کا یہ عقیدہ بھی متفق علیہ ہے کہ کوئی شخص بہشت میں داخل ہو کر پھر اُس سے نکالا نہیں جائیگا گو کیسا ہی ادنیٰ درجہ کا آدمی ہو۔ چنانچہ یہی عقیدہ مسلمانوں کا بھی ہے۔ اللہ جلشانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ[1] یعنی جو لوگ بہشت میں داخل کئے جائیں گے پھر اُس سے نکالے نہیں جائیں گے اور قرآن شریف میں اگرچہ حضرت مسیح کے بہشت میں داخل ہونے کا بتصریح کہیں ذکر نہیں لیکن اُنکے وفات پا جانے کا تین جگہ ذکر ہے ✲ اور مقدس بندوں کیلئے وفات پانا اور بہشت میں داخل ہونا ایک ہی حکم میں ہے

مٹ

✚ حاشیہ دیکھو انجیل لوقا باب ۲۳ آیت ۴۳

✲ حاشیہ قال اللہ تعالیٰ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم[2] دیکھو سورۃ مائدہ الجزو نمبر ۷
وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ[3] سورۃ نساء الجزو نمبر ۶
اذ قال اللہ یٰعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ[4] سورۃ آل عمران الجزو نمبر ۳ منہ

[1] الحجر: ۴۹ [2] المائدۃ: ۱۱۸ [3] النساء: ۱۵۹ [4] آل عمران: ۵۶

کیونکہ بر طبق آیت "قیل ادخل الجنۃ"[۵۱] "وادخلی جنتی"[۵۲] وہ بلا توقف بہشت میں داخل کئے جاتے ہیں اب مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں گروہ پر واجب ہے کہ اس امر کو غور سے جانچیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک مسیح جیسا مقرب بندہ بہشت میں داخل کر کے پھر اُس سے باہر نکال دیا جائے؟ کیا اس میں خدا تعالیٰ کے اس وعدہ کا تخلف نہیں جو اس کی تمام پاک کتابوں میں بتواتر و تصریح موجود ہے کہ بہشت میں داخل ہونیوالے پھر اُس سے نکالے نہیں جائینگے؟ کیا ایسے بزرگ اور حتمی وعدہ کا ٹوٹ جانا خدا تعالیٰ کے تمام وعدوں پر ایک سخت زلزلہ نہیں لاتا؟ پس یقیناً سمجھو کہ ایسا اعتقاد رکھنے میں نہ صرف مسیح پر ناجائز مصیبت وارد کروگے بلکہ اِن لغو باتوں سے خدا تعالیٰ کی کسرِ شان اور کمال درجہ کی بے ادبی بھی ہوگی اس امر کو ایک بڑے غور اور دیدہ تعمق سے دیکھنا چاہیئے کہ ایک ادنیٰ اعتقاد سے جس سے نجات پانے کے لئے استعارہ کی راہ موجود ہے۔ بڑی بڑی دینی صداقتیں آپکے ہاتھ سے فوت ہوتی ہیں۔ اور درحقیقت یہ ایک ایسا فاسد اعتقاد ہے جس میں ہزاروں خرابیاں سخت الجھن کے ساتھ گرہ در گرہ لگی ہوئی ہیں اور مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے کے لئے موقعہ ہاتھ آتا ہے میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ یہی معجزہ کفار مکہ نے ہمارے سید و مولیٰ حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم سے مانگا تھا کہ آسمان پر ہمارے رُوبرو چڑھیں اور رُوبرو ہی اُتریں اور اُنہیں جواب ملا تھا کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ[۵۳] یعنی خدا تعالیٰ کی حکیمانہ شان اس سے پاک ہے کہ ایسے کھلے کھلے خوارق اس دارالابتلا میں دکھاوے اور ایمان بالغیب کی حکمت کو تلف کرے۔

اب میں کہتا ہوں کہ جو امر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے جو افضل الانبیاء تھے جائز نہیں اور سنّت اللہ سے باہر سمجھا گیا وہ حضرت مسیح کیلئے کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ یہ کمال بے ادبی ہوگی کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایک کمال کو مستبعد خیال کریں اور پھر وہی کمال حضرت مسیح کی نسبت قرین قیاس مان لیں۔ کیا کسی سچے مسلمان سے

(حاشیہ: ص۹ ، ص۱۰)

[۵۱] یٰسٓ:۲۷ [۵۲] الفجر:۳۱ [۵۳] بنی اسرائیل:۹۴

ایسی گستاخی ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور یہ امر بھی قابلِ اظہار ہے کہ یہ خیال مذکورہ بالا جو کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں پھیل گیا ہے صحیح طور پر ہماری کتابوں میں اس کا نام و نشان نہیں بلکہ احادیث نبویہ کی غلط فہمی کا یہ ایک غلط نتیجہ ہے جس کے ساتھ کئی بے جا حاشیے لگا دیئے گئے ہیں اور بے اصل موضوعات سے انکو رونق دی گئی ہے اور تمام وہ امور نظر انداز کر دیئے گئے ہیں جو مقصود اصلی کی طرف رہبر ہوسکتے ہیں۔ اس بارے میں نہایت صاف اور واضح حدیث نبوی وہ ہے جو امام محمد اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لکھی ہے اور وہ یہ ہے کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم یعنی اُس دن تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تم میں اُتریگا۔ وہ کون[۱۱] ہے؟ وہ تمہارا ہی ایک امام ہوگا جو تم ہی میں سے پیدا ہوگا۔ پس اس حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا کہ ابن مریم سے یہ مت خیال کرو کہ سچ مچ مسیح بن مریم ہی اُتر آئیگا۔ بلکہ یہ نام استعارہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے ورنہ درحقیقت وہ تم میں سے تمہاری ہی قوم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا جو ابن مریم کی سیرت پر پیدا کیا جائے گا۔" اس جگہ پُرانے خیالات کے لوگ اس حدیث کے معنے اس طرح پر کرتے ہیں کہ جب حضرت مسیح آسمان سے اُتریں گے تو وہ اپنے منصبِ نبوت سے مستعفی ہو کر آئیں گے۔ انجیل سے انہیں کچھ غرض نہیں ہوگی۔ اُمتِ محمدیہ میں داخل ہو کر قرآن شریف پر عمل کریں گے۔ پنج وقت نماز پڑھیں گے اور مسلمان کہلائینگے!!! مگر یہ بیان نہیں کیا گیا کہ کیوں اور کس وجہ سے یہ تنزل کی حالت اُنھیں پیش آئیگی۔ بہرحال اس قدر ہمارے بھائیوں مسلمان محمدیوں نے آپ ہی مان لیا ہے کہ ابن مریم اُس دن ایک مرد مسلمان ہوگا جو اپنے تئیں اُمتِ محمدیہ میں سے ظاہر کرے گا اور اپنی نبوت کا نام بھی نہ لیگا جو پہلے اس کو عطا کی گئی تھی[۱۲]۔ اور درحقیقت یہی ایک بھاری مشکل ہے کہ جو استعارہ کو حقیقت پر حمل کرنے سے ہمارے بھائیوں کو پیش آگئی ہے جس کی وجہ سے اُنھیں ایک نبی کا اپنے منصبِ نبوت سے محروم ہو جانا تجویز کرنا پڑا۔ اگر وہ اِن صاف اور سیدھے معنوں کو

ص۱۱

ص۱۲

مان لیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک الفاظ سے پائے جاتے ہیں جن کے مطابق پہلے حضرت مسیح یوحنا نبی کے بارے میں بیان فرما چکے ہیں تو ان تمام پُر تکلف مشکلات سے مخلصی پاجائیں گے۔ نہ حضرت مسیح کی روح کو بہشت سے نکلنے کی حاجت پڑے گی اور نہ اُس مقدس نبی کی نبوت کا خلع تجویز کرنا پڑے گا اور نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجو ملیح کے مرتکب ہوں گے اور نہ احکام قرآنی کے منسوخ ہونے کا اقرار کیا جائے گا۔

شاید آخری عذر ہمارے بھائیوں کا یہ ہوگا کہ بعض الفاظ جو صحیح حدیثوں میں حضرت مسیح کے علامات میں بیان کئے گئے ہیں انکی تطبیق کیونکر کریں۔ مثلاً لکھا ہے کہ مسیح جب آئے گا تو صلیب کو توڑیگا اور جزیہ کو اُٹھادے گا اور خنزیروں کو قتل کردے گا اور اُس وقت آئیگا کہ جب یہودیت اور عیسائیت کی بد خصلتیں مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ میں کہتا ہوں کہ صلیب کے توڑنے سے مراد کوئی ظاہری جنگ نہیں بلکہ روحانی طور پر صلیبی مذہب کا توڑ دینا اور اس کا بطلان ثابت کرکے دکھا دینا مراد ہے۔ جزیہ اُٹھا دینے کی مراد خود ظاہر ہے جس سے یہ اشارہ ہے کہ اِن دنوں میں خود بخود دل سچائی اور حق کی طرف کھینچے جائیں گے کسی لڑائی کی حاجت نہیں ہوگی۔ خود بخود ایسی ہوا چلے گی کہ جوق در جوق اور فوج در فوج لوگ دین اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے۔ پھر جب دین اسلام میں داخل ہونیکا دروازہ کھل جائیگا اور ایک عالم کا عالم اِس دین کو قبول کرلے گا تو پھر جزیہ کس سے لیا جائے گا۔ مگر یہ سب کچھ ایک دفعہ واقع نہیں ہوگا۔ ہاں ابھی سے اس کی بنا ڈالی جائیگی اور خنزیروں سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں خنزیروں کی عادتیں ہیں۔ وہ اُس روز حجت اور دلیل سے مغلوب کئے جائیں گے اور دلائل بیّنہ کی تلوار اُنھیں قتل کرے گی نہ یہ کہ ایک پاک نبی جنگلوں میں خنزیروں کا شکار کھیلتا پھرے گا۔

اے میری پیاری قوم! یہ سب استعارے ہیں۔ جن کو خدا تعالےٰ کی طرف سے فہم دیا گیا ہے وہ نہ صرف آسانی سے بلکہ ایک قسم کے ذوق سے اُن کو سمجھ جائیں گے۔ ایسے

عمدہ اور بلیغ مجازی کلمات کو حقیقت پر اُتارنا گویا ایک خوبصورت معشوق کا ایک دیو کی شکل میں خاکہ کھینچنا ہے۔ بلاغت کا تمام مدار استعارات لطیفہ پر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ کے کلام نے بھی جو ابلغ الکلم ہے جس قدر استعاروں کو استعمال کیا ہے اور کسی کے کلام میں یہ طرز لطیفہ نہیں ہے۔ اب ہر جگہ اور ہر محل میں ان پاکیزہ استعاروں کو حقیقت پر حمل کرتے جانا گویا اس کلام معجز نظام کو خاک میں ملا دینا ہے پس اس طریق سے نہ صرف خدا تعالیٰ کی پُر بلاغت کلام کا اصلی منشاء درہم برہم ہوتا ہے بلکہ ساتھ ہی اس کلام کے اعلیٰ درجہ کی بلاغت کو برباد کر دیا جاتا ہے۔ خوبصورت اور دلچسپ طریقے تفسیر کے وہ ہوتے ہیں جن میں متکلم کی اعلیٰ شانِ بلاغت اور اُس کے روحانی اور بلند ارادوں کا بھی خیال رہے نہ یہ کہ نہایت درجہ کے سفلی اور بدنما اور بے طرح موٹے معنے جو ہجو ملیح کے حکم میں ہوں اپنی طرف سے گھڑے جائیں اور خدا تعالیٰ کے پاک کلام کو جو پاک[۱۵] اور نازک دقائق پر مشتمل ہے صرف دہقانی لفظوں تک محدود خیال کر لیا جائے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اُن نہایت دقیق اسرار کے مقابلہ پر جو خدا تعالیٰ کے کلام میں ہونے چاہئیں اور بکثرت ہیں کیوں بدشکل اور موٹے اور کریہہ معنے پسند کیے جاتے ہیں؟ اور کیوں اُن لطیف معنوں کی وقعت نہیں جو خدا تعالیٰ کی حکیمانہ شان کے موافق اور اُس کے عالی مرتبہ کلام کے مناسب حال ہیں؟ اور ہمارے علماء کے دماغ اس بے وجہ سرکشی سے کیوں پُر ہیں کہ وہ الٰہی فلسفہ کے نزدیک آنا نہیں چاہتے؟ جن لوگوں نے اِن تحقیقوں میں اپنا خون اور پسینہ ایک کر دیا ہے اُن کو بے شک ہمارے اس بیان سے نہ انکار بلکہ مزہ آئے گا۔ اور ایک تازہ صداقت اُن کو ملے گی جس کو وہ بڑی مدّ و شدّ کے ساتھ قوم میں بیان کریں گے اور پبلک کو ایک روحانی فائدہ پہنچائیں گے۔ لیکن جنھوں نے صرف سرسری نگاہ تک اپنی فکر اور عقل کو ختم کر رکھا ہے وہ بجز اس کے کہ ناحق کے اعتراضات کی میزان بڑھاویں اور بے جا رُست خیز قائم کریں اور کچھ اسلام کو اپنے وجود سے فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

اب[۱۶] ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے ہادی اور سیّد مولیٰ جناب ختم المرسلین نے

ص۱۵

ص۱۶

مسیح اوّل اور مسیح ثانی میں مابہ الامتیاز قائم کرنے کے لئے صرف یہی نہیں فرمایا کہ مسیح ثانی ایک مرد مسلمان ہوگا اور شریعت قرآنی کے موافق عمل کرے گا اور مسلمانوں کی طرح صوم و صلوٰۃ وغیرہ احکام فرقانی کا پابند ہوگا اور مسلمانوں میں پیدا ہوگا اور اُن کا امام ہوگا اور کوئی جداگانہ دین نہ لائے گا اور کسی جداگانہ نبوت کا دعویٰ نہیں کرے گا بلکہ یہ بھی ظاہر فرمایا ہے کہ مسیح اوّل اور مسیح ثانی کے حلیہ میں بھی فرق بیّن ہوگا۔ چنانچہ مسیح اوّل کا حلیہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات میں نظر آیا وہ یہ ہے کہ درمیانہ قد اور سرخ رنگ اور گھنگر والے بال اور سینہ کشادہ ہے (دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۴۸۹) لیکن اسی کتاب میں مسیح ثانی کا حلیہ جناب ممدوح نے یہ فرمایا ہے کہ وہ گندم گون ہے اور اس کے بال گھنگر والے نہیں ہیں اور کانوں تک لٹکتے ہیں۔ اب ہم سوچتے ہیں کہ کیا یہ دونوں ممیز علامتیں جو مسیح اوّل اور ثانی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں کافی طور پر یقین نہیں دلاتیں کہ مسیح اوّل اور ہے اور مسیح ثانی اور۔ ان دونوں کو ابن مریم کے نام سے پکارنا ایک لطیف استعارہ ہے جو باعتبار مشابہت طبع اور روحانی خاصیت کے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اندرونی خاصیت کے مشابہت کے رو سے دو نیک آدمی ایک ہی نام کے مستحق ہو سکتے ہیں اور ایسا ہی دو بد آدمی بھی ایک ہی بدمادہ میں شریک مساوی ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے قائم مقام کہلا سکتے ہیں مسلمان لوگ جو اپنے بچوں کے نام احمد اور موسیٰ اور عیسیٰ اور سلیمان اور داؤد وغیرہ رکھتے ہیں تو درحقیقت اسی تفاؤل کا خیال انہیں ہوتا ہے جس سے نیک فال کے طور پر یہ ارادہ کیا جاتا ہے کہ یہ بچے بھی اُن بزرگوں کی روحانی شکل اور خاصیت ایسی اتم اور اکمل طور سے پیدا کرلیں کہ گویا انہیں کا روپ ہو جائیں۔ اس جگہ اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثیل بھی نبی چاہیئے کیونکہ مسیح نبی تھا۔ تو اس کا اوّل جواب تو یہی ہے کہ آنیوالے مسیح کے لئے ہمارے سید و مولیٰ نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی بلکہ صاف طور پر یہی لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہوگا اور عام مسلمانوں کے موافق شریعت فرقانی کا پابند ہوگا اور اس سے

صفحہ ۱۷ ، صفحہ ۱۸

زیادہ کچھ بھی ظاہر نہیں کرے گا کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کا امام ہوں۔ ماسوا اس کے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدا تعالےٰ کی طرف سے اس اُمت کے لئے محدّث ہو کر آیا ہے اور محدّث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے گو اُس کے لئے نبوت تامّہ نہیں مگر تاہم جزوی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے کیونکہ وہ خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔ امور غیبیہ اُس پر ظاہر کئے جاتے ہیں اور رسولوں اور نبیوں کی وحی کی طرح اُسکی وحی کو بھی دخل شیطان سے منزّہ کیا جاتا ہے اور مغز شریعت اُس پر کھولا جاتا ہے اور بعینہٖ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے اور انبیاء کی طرح اُس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں بآواز بلند ظاہر کرے اور اُس سے انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجب سزا ٹھہرتا ہے اور نبوت کے معنے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں پائے جائیں۔

اور اگر یہ عذر پیش ہو کہ باب نبوت مسدود ہے اور وحی جو انبیاء پر نازل ہوتی ہے اُس پر مُہر لگ چکی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نہ من[19] کل الوجوہ باب نبوت مسدود ہوا ہے اور نہ ہر ایک طور سے وحی پر مہر لگائی گئی ہے بلکہ جزئی طور پر وحی اور نبوت کا اس اُمت مرحومہ کیلئے ہمیشہ دروازہ کھلا ہے۔ مگر اس بات کو بحضور دل یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ نبوت جس کا ہمیشہ کے لئے سلسلہ جاری رہے گا نبوت تامّہ نہیں ہے بلکہ جیساکہ میں ابھی بیان کرچکا ہوں وہ صرف ایک جزئی نبوت ہے جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کے اسم سے موسوم ہے جو انسان کامل کے اقتدا سے ملتی ہے جو مستجمع جمیع کمالات نبوت تامّہ ہے یعنی ذات ستودہ صفات حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔ فاعلم ارشدک اللّٰہ تعالیٰ انّ النّبی محدّث والمحدّث نبی باعتبار حصول نوع من انواع النبوت وقد قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یبق من النبوّۃ الّا المبشرات ای لم یبق من انواع النبوۃ الّا نوع واحد وھی المبشرات من اقسام الرّؤیا الصادقۃ والمکاشفات الصحیحۃ والوحی الذی ینزل علیٰ خواص الاولیاء والنور الذی یتجلی علی

ص۱۹

قلوب قومٍ موجح۔ فانظر ایہا الناقد البصیر أیُفہَمُ من ھٰذا سدّ باب النبوة علی وجہ کلی بل الحدیث یدلّ علیٰ انّ النبوة التامة الحاملة لوحی الشریعة قد انقطعت ولٰکن النبوة التی لیس فیہا إلّا المبشرات فہی باقیة إلی یوم القیامة لا انقطاع لہا ابدًا۔ وقد علمت وقرأت فی کتب الحدیث انّ الرؤیا الصّالحة جزءٌ من ستة واربعین جزء من النبوة ای من النبوة التامة فلمّا کان للرؤیا نصیبًا من ھذہ المرتبة فکیف الکلام الذی یوحی من اللہ تعالیٰ الیٰ قلوب المحدثین فاعلم ایدک اللہ ان حاصل کلامنا ان ابواب النبوة الجزئیة مفتوحة ابدًا ولیس فی ھٰذا النوع إلّا المبشرات او المنذرات من الامور المغیبة او اللطائف القرآنیة والعلوم اللدنیّة۔ واما النبوة التی تامة کاملة جامعة لجمیع کمالات الوحی فقد آمنّا بانقطاعہا من یوم نزل فیہ۔ ما کان محمدٌ ابا احد من رجالکم ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیّین[۱] اگر یہ استفسار ہو کہ جس خاصیت اور قوت روحانی میں یہ عاجز اور مسیح بن مریم مشابہت رکھتے ہیں وہ کیا شئے ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایک مجموعی خاصیت ہے جو ہم دونوں کے روحانی قویٰ میں ایک خاص طور پر رکھی گئی ہے جس کے سلسلہ کی ایک طرف نیچے کو اور ایک طرف اُوپر کو جاتی ہے۔ نیچے کی طرف سے مراد وہ اعلیٰ درجہ کی دلسوزی اور غمخواری خلق اللہ ہے جو داعی الی اللہ اور اُسکے مستعد شاگردوں میں ایک نہایت مضبوط تعلق اور جوڑ بخش کر نورانی قوت کو جو داعی الی اللہ کے نفس پاک میں موجود ہے اُن تمام سرسبز شاخوں میں پھیلاتی ہے۔ اُوپر کی طرف سے مراد وہ اعلیٰ درجہ کی محبت قوی ایمان سے ملی ہوئی ہے جو اوّل بندہ کے دل میں بارادہ الٰہی پیدا ہو کر رب قدیر کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور پھر اُن دونوں محبتوں کے ملنے سے جو درحقیقت نر اور مادہ

[۱] الاحزاب: ۴۱

کا حکم رکھتی ہیں ایک مستحکم رشتہ اور ایک شدید مواصلت خالق اور مخلوق میں پیدا ہو کر الٰہی محبت کے چمکنے والی آگ سے جو مخلوق کی ہیزم مثال محبت کو پکڑ لیتی ہے ایک[۲۲] تیسری چیز پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام روح القدس ہے۔ سو اس درجے کے انسان کی روحانی پیدائش اُس وقت سے سمجھی جاتی ہے جبکہ خدا تعالےٰ اپنے ارادہ خاص سے اُس میں اس طور کی محبت پیدا کر دیتا ہے اور اس مقام اور اس مرتبہ کی محبت میں بطور استعارہ یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ خدا تعالےٰ کی محبت سے بھری ہوئی روح اس انسانی روح کو جو بارادہ الٰہی اب محبت سے بھر گئی ہے ایک نیا تولد بخشتی ہے۔ اسی وجہ سے اس محبت کی بھری ہوئی روح کو خدا تعالےٰ کی روح سے جو نافخ المحبت ہے استعارہ کے طور پر ابنیت کا علاقہ ہوتا ہے اور چونکہ روح القدس ان دونوں کے ملنے سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان دونوں کے لئے بطور ابن ہے اور یہی پاک تثلیث ہے جو اس درجہ محبت کے لئے ضروری ہے جسکو ناپاک طبیعتوں نے مشرکانہ طور پر سمجھ لیا ہے اور ذرہ امکان کو جو ہالکۃ الذات باطلۃ الحقیقت ہے حضرت اعلیٰ واجب الوجود کے ساتھ برابر ٹھہرا دیا ہے۔

لیکن[۲۳] اگر اس جگہ یہ استفسار ہو کہ اگر یہ درجہ اس عاجز اور مسیح کے لئے مسلّم ہے تو پھر جناب سیدنا و مولانا سید الکل و افضل الرسل خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کونسا درجہ باقی ہے۔ سو واضح ہو کہ وہ ایک اعلیٰ مقام اور برتر مرتبہ ہے جو اُسی ذات کامل الصفات پر ختم ہو گیا ہے جس کی کیفیت کو پہنچنا بھی کسی دوسرے کا کام نہیں چہ جائیکہ وہ کسی اور کو حاصل ہو سکے۔

شانِ احمد را کہ داند جز خداوندِ کریم	آنچناں از خود جدا شد کز میاں اُفتاد میم
زاں نمط شد محوِ دلبر کز کمالِ اتحاد	پیکرِ او شد سراسر صورتِ ربِّ رحیم
بُوئے محبوبِ حقیقی میدمد زاں روئے پاک	ذاتِ حقّانی صفاتش مظہرِ ذاتِ قدیم
گرچہ منسوبم کند کس سوئے الحاد و ضلال	چوں دلِ احمد نمی بینم دگر عرشے عظیم

منت ایزد را کہ من بر رغم اہلِ روزگار — صد بلا را میخرم از ذوق آں عین النعیم
از عنایاتِ خدا و از فضل آں دادار پاک — دشمنِ فرعونیانم بہرِ عشقِ آں کلیم
آں مقام و رتبتِ خاصش کہ بر من شد عیاں — گفتنے گر دیدے طبعی دریں راہے سلیم
در رہِ عشقِ محمدؐ ایں سر و جانم رود — ایں تمنا ایں دعا ایں در دلم عزمِ صمیم

اب[۲۲۴] آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے درجہ عالیہ کی شناخت کیلئے اس قدر لکھنا ضروری ہے کہ مراتب قرب و محبت باعتبار اپنے روحانی درجات کے تین قسم پر منقسم ہیں۔ سب سے ادنیٰ درجہ جو در حقیقت وہ بھی بڑا ہے یہ ہے کہ آتشِ محبتِ الٰہی لوحِ قلبِ انسان کو گرم تو کرے اور ممکن ہے کہ ایسا گرم کرے کہ بعض آگ کے کام اس محرور سے ہو سکیں لیکن یہ کسر باقی رہ جائے کہ اس متاثر میں آگ کی چمک پیدا نہ ہو۔ اس درجہ کی محبت پر جب خدا تعالےٰ کی محبت کا شعلہ واقع ہو تو اس شعلہ سے جس قدر روح میں گرمی پیدا ہوتی ہے اس کو سکینت و اطمینان اور کبھی فرشتہ و ملک کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ ۲۲۴

دوسرا درجہ محبت کا وہ ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں جس میں دونوں محبتوں کے ملنے سے آتشِ محبتِ الٰہی لوحِ قلبِ انسان کو اس قدر گرم کرتی ہے کہ اس میں آگ کی صورت پر ایک چمک پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس چمک میں کسی قسم کا اشتعال یا بھڑک نہیں ہوتی۔ فقط ایک چمک ہوتی ہے جس کو روح القدس کے نام سے موسوم[۲۲۵] کیا جاتا ہے۔ ۲۲۵

تیسرا درجہ محبت کا وہ ہے جس میں ایک نہایت افروختہ شعلہ محبتِ الٰہی کا انسانی محبت کے مستعد فتیلہ پر پڑ کر اس کو افروختہ کر دیتا ہے اور اسکے تمام اجزا اور تمام رگ و ریشہ پر استیلا پکڑ کر اپنے وجود کا اتم اور اکمل مظہر اس کو بنا دیتا ہے۔ اور اس حالت میں آتشِ محبتِ الٰہی لوحِ قلبِ انسان کو نہ صرف ایک چمک بخشتی ہے بلکہ معاً اس چمک کے ساتھ تمام وجود بھڑک اٹھتا ہے اور اس کی لوئیں اور شعلے ارد گرد کو روزِ روشن کی طرح روشن کر دیتے ہیں اور کسی قسم کی تاریکی باقی نہیں رہتی اور پورے طور پر اور تمام صفاتِ کاملہ

کے ساتھ وہ سارا وجود آگ ہی آگ ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت جو ایک آتش افروختہ کی صورت پر دونوں محبتوں کے جوڑ سے پیدا ہو جاتی ہے اُس کو روح امین کے نام سے بولتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہر یک تاریکی سے امن بخشتی ہے اور ہر یک غبار سے خالی ہے اور اس کا نام شدید القویٰ بھی ہے۔ کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقت وحی ہے جس سے قوی تر وحی متصور نہیں۔ اور اس کا نام ذوالافق الاعلیٰ بھی ہے[۲۶]۔ کیونکہ یہ وحی الٰہی کے انتہائی درجہ کی تجلّی ہے اور اس کو رایٰ مارایٰ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کیفیت کا اندازہ تمام مخلوقات کے قیاس اور گمان اور وہم سے باہر ہے۔ اور یہ کیفیت صرف دنیا میں ایک ہی انسان کو ملی ہے جو انسان کامل ہے جس پر تمام سلسلہ انسانیہ کا ختم ہو گیا ہے اور دائرہ استعدادات بشریہ کا کمال کو پہنچا ہے۔ اور وہ درحقیقت پیدائش الٰہی کے خط ممتد کی اعلیٰ طرف کا آخری نقطہ ہے جو ارتفاع کے تمام مراتب کا انتہا ہے۔ حکمت الٰہی کے ہاتھ نے ادنیٰ سے ادنیٰ خلقت سے اور اسفل سے اسفل مخلوق سے سلسلہ پیدائش کا شروع کر کے اُس اعلیٰ درجہ کے نقطہ تک پہنچا دیا ہے جس کا نام دوسرے لفظوں میں محمدؐ ہے صلے اللہ علیہ وسلم۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ نہایت تعریف کیا گیا۔ یعنے کمالاتِ تامہ کا مظہر۔ سو جیسا کہ فطرت کے رو سے اس نبی کا اعلیٰ اور ارفع مقام تھا ایسا ہی خارجی طور پر بھی اعلیٰ و ارفع مرتبہ وحی کا اس کو عطا ہوا اور اعلیٰ و ارفع مقام محبت کا ملا۔ یہ وہ مقام عالی ہے کہ میں اور مسیح دونوں اس مقام تک نہیں[۲۷] پہنچ سکتے۔ اس کا نام مقام جمع اور مقام وحدت تامہ ہے۔ پہلے نبیوں نے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی ہے اسی پتہ و نشان پر خبر دی ہے اور اسی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے اور جیسا کہ مسیح اور اس عاجز کا مقام ایسا ہے کہ اس کو استعارہ کے طور پر ابنیت کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ایسا ہی یہ وہ مقام عالیشان مقام ہے کہ گذشتہ نبیوں نے استعارہ کے طور پر صاحبِ مقام ہذا کے ظہور کو خدا تعالےٰ کا ظہور قرار دے دیا اور اُس کا آنا خدا تعالےٰ کا آنا ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح نے بھی

ح ۲۶ ح ۲۷

ایک مثال کو پیش کر کے فرمایا ہے کہ انگورستان کا پھل لینے کیلئے اول باغ کے مالک نے (جو خدا تعالیٰ ہے) اپنے نوکروں کو بھیجا یعنی ابتدائی[۱] کے قرب والوں کو جس سے مراد وہ تمام صلحاء ہیں جو حضرت مسیح کے زمانہ میں اور اُسی صدی میں مگر کسی قدر اُن سے پہلے آئے۔ پھر جب باغبانوں نے باغ کا پھل دینے سے انکار کیا تو باغ کے مالک نے تاکید کے طور پر اپنے بیٹے کو اُن کی طرف روانہ کیا تا اس کو بیٹا سمجھ کر باغ کا پھل اُس کے حوالہ کریں۔ بیٹے سے مراد اس[۲] جگہ مسیح ہے جن کو دوسرا درجہ قرب اور محبت کا حاصل ہے۔ مگر باغبانوں نے اس بیٹے کو بھی باغ کا پھل نہ دیا بلکہ اپنے زعم میں اُسے قتل کر دیا۔ بعد اس کے حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ اب باغ کا مالک خود آئے گا یعنی خدا تعالیٰ خود ظہور فرمائے گا تا باغبانوں کو قتل کر کے باغ کو ایسے لوگوں کو دیدے کہ اپنے وقت پر پھل دے دیا کریں۔ اس جگہ خدا تعالیٰ کے آنے سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا آنا ہے جو قرب اور محبت کا تیسرا درجہ اپنے لئے حاصل رکھتے ہیں * اور یہ سب روحانی مراتب ہیں کہ جو استعارہ کے طور پر مناسب حال الفاظ

ص ۲۸

* ہمارے سید و مولیٰ جناب مقدس خاتم الانبیاء کی نسبت صرف حضرت مسیح نے ہی بیان نہیں کیا کہ آنجناب کا دنیا میں تشریف لانا درحقیقت خدا تعالیٰ کا ظہور فرمانا ہے بلکہ اس طرز کا کلام دوسرے نبیوں نے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں اپنی اپنی پیشگوئیوں میں بیان کیا ہے اور استعارہ کے طور پر آنجناب کے ظہور کو خدا تعالیٰ کا ظہور قرار دیا ہے بلکہ بوجہ خدائی کے مظہر اتم ہونے کے آنجناب[۳] کو خدا کر کے پکارا ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد کے زبور میں لکھا ہے تو حسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے۔ تیرے لبوں میں نعمت بنائی گئی۔ اس لئے خدا نے تجھ کو ابد تک مبارک کیا (یعنی تو خاتم الانبیاء ٹھہرا) اے پہلوان تو جاہ و جلال سے اپنی تلوار حمائل کر کے اپنی ران پر لٹکا۔ امانت اور حلم اور عدالت پر اپنی بزرگواری اور اقبال مندی سے سوار ہو کر تیرا دہنا ہاتھ تجھے ہیبت ناک کام دکھلائے گا۔ بادشاہ کے دشمنوں کے دلوں میں

ص ۲۹

[۱] "ابتدائی درجہ" پڑھا جائے۔ شمس

بیان کئے گئے ہیں۔ یہ نہیں کہ حقیقی ابنیت اس جگہ مراد ہے یا حقیقی الوہیت مراد لی گئی ہے۔

اس جگہ اس بات کا بیان کرنا بھی بے موقعہ نہ ہوگا کہ جو کچھ ہم نے روح القدس اور روح الامین وغیرہ کی تعبیر کی ہے یہ درحقیقت اُن عقائد سے جو اہل اسلام ملائک کی نسبت رکھتے ہیں منافی نہیں ہے کیونکہ محققین اہل اسلام ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ ملائک اپنے شخصی وجود کے ساتھ انسانوں کی طرح پیروں سے چل کر زمین پر اُترتے ہیں اور یہ خیال بداہت باطل بھی ہے

تیرے تیر تیزی کرتے ہیں لوگ تیرے سامنے گر جاتے ہیں اے خدا تیرا تخت ابدالآباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ تو نے صدق سے دوستی اور شر سے دشمنی کی ہے اسی لئے خدا نے جو تیرا خدا ہے خوشی کے روغن سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ تجھے معطر کیا ہے (دیکھو زبور ۴۵)

اب جاننا چاہیئے کہ زبور کا یہ فقرہ کہ اے خدا تیرا تخت ابدالآباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے یہ محض بطور استعارہ ہے جس سے غرض یہ ہے کہ جو روحانی طور پر شان محمدی ہے اس کو ظاہر کر دیا جائے۔ پھر یسعیاہ نبی کی کتاب میں بھی ایسا ہی لکھا ہے چنانچہ اسکی عبارت یہ ہے۔

"دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالوں گا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اُس پر رکھی۔ وہ قوموں پر راستی ظاہر کرے گا وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدا بلند نہ کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا۔ وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور سن کو جس سے دھواں اُٹھتا ہے نہ بجھائے گا جب تک کہ راستی کو امن کے ساتھ ظاہر نہ کرے وہ نہ گھٹے گا نہ تھکے گا جب تک کہ راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور جزیرے اس کی شریعت کے منتظر ہوویں ....

... خداوند خدا ایک بہادر کی مانند نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت کو اُسکائے گا۔ الخ

اب جاننا چاہیئے کہ یہ فقرہ کہ خداوند خدا ایک بہادر کی مانند نکلے گا یہ بھی بطور استعارہ کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پُرہیبت ظہور کا اظہار کر رہا ہے۔ دیکھو یسعیاہ نبی کی کتاب باب ۴۲ اور ایسا ہی اور کئی نبیوں نے بھی اس استعارہ کو اپنی پیشگوئیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں

کیونکہ اگر یہی ضرور ہوتا کہ ملائک اپنی اپنی خدمات کی بجا آوری کے لئے اپنے اصل وجود کے ساتھ زمین پر اُترا کرتے تو پھر اُن سے کوئی کام انجام پذیر ہونا بغایت درجہ محال تھا مثلاً فرشتہ ملک الموت جو ایک سیکنڈ میں ہزارہا ایسے لوگوں کی جانیں نکالتا ہے جو مختلف بلاد و امصار میں ایک دوسرے سے ہزاروں کوسوں کے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ اگر ہر یک کیلئے اس بات کا محتاج ہو کر اوّل پیروں سے چل کر اُس کے ملک اور شہر اور گھر میں جاوے اور پھر اتنی مشقت کے بعد جان نکالنے کا اُس کو موقعہ ملے تو ایک سکنڈ کیا اتنی بڑی کارگزاری کیلئے تو کئی مہینے کی مہلت بھی کافی نہیں ہو سکتی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص انسانوں کی طرح حرکت کر کے ایک طرفۃ العین کے یا اُس کے کم عرصہ میں تمام جہان گھوم کر چلا آوے ہرگز نہیں بلکہ فرشتے اپنے اصلی مقامات سے جو اُن کے لئے خدا تعالےٰ کی طرف سے مقرر ہیں ایک ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ اُن کی طرف سے قرآن شریف میں فرماتا ہے وما منا الا له مقام معلوم وانا لنحن الصافون[1]۔ سورۃ صٰفّٰت جزو ۲۳ پس اصل بات یہ ہے کہ جس طرح آفتاب اپنے مقام پر ہے اور اُس کی گرمی و روشنی زمین پر پھیل کر اپنے خواص کے موافق زمین کی ہر یک چیز کو فائدہ پہنچاتی ہے اسی طرح روحانیات سماویہ خواہ اُن کو یونانیوں کے خیال کے موافق نفوس فلکیہ کہیں یا دساتیر اور وید کی اصطلاحات کے موافق ارواح کواکب سے اُن کو نامزد کریں۔

ص۳۱ ص۳۲ ص۳۳

بقیہ حاشیہ: استعمال کیا ہے۔ مگر چونکہ ان سب مقامات کے لکھنے سے طول ہو جاتا ہے۔ اس لئے بالفعل اسی قدر پر کفایت کرتا ہوں۔ اور میں نے جو اس جگہ تین مراتب قرب اور محبت کے لکھ کر تیسرا مرتبہ کہ جو بزرگترین مراتب ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کیا ہے یہ میری طرف سے ایک اجتہادی خیال نہیں بلکہ الہامی طور پر خدا تعالےٰ نے مجھ پر کھول دیا ہے۔ منہ

[1] الصافات: ۱۶۵-۱۶۶

یا نہایت سیدھے اور موحدانہ طریق سے ملائک اللہ کا انکو لقب دیں* و حقیقت یہ عجیب
مخلوقات اپنے اپنے مقام میں مستقر اور قرار گیر ہے اور بہ حکمت کاملہ خداوند تعالیٰ زمین کی ہر یک
مستعد چیز کو اس کے کمال مطلوب تک پہنچانے کے لئے یہ روحانیات خدمت میں لگی
ہوئی ہیں ظاہری خدمات بھی بجا لاتے ہیں اور باطنی بھی۔ جیسے ہمارے اجسام اور ہماری
تمام ظاہری قوتوں پر آفتاب اور ماہتاب اور دیگر ستاروں کا اثر ہے ایسا ہی ہمارے
دل اور دماغ اور ہماری تمام روحانی قوتوں پر یہ سب ملائک ہماری مختلف استعدادوں
کے موافق اپنا اپنا اثر ڈال رہے ہیں۔ جو چیز کسی عمدہ جوہر بننے کی اپنے اندر قابلیت رکھتی
ہے وہ اگرچہ خاک کا ایک ٹکڑہ ہے یا پانی کا وہ قطرہ جو صدف میں داخل ہوتا ہے یا پانی کا
وہ قطرہ جو رحم میں پڑتا ہے وہ ان ملائک اللہ کی روحانی تربیت سے لعل اور الماس
اور یاقوت اور نیلم وغیرہ یا نہایت درجہ کا آبدار اور وزنی موتی یا اعلیٰ درجہ کے دل اور
دماغ کا انسان بن جاتا ہے۔ دساتیر جس کو مجوسی لوگ الہامی مانتے ہیں جس نے اپنی مدت
ظہور کی وہ لمبی تاریخ بتلائی ہے جس کا کروڑواں حصہ بھی وید کی مدت ظہور کی نسبت بیان
نہیں کیا گیا۔ یعنی وید کی نسبت تو صرف ایک ارب چھیانوے کروڑ مدت ظہور محض دوسروں
کے وہم اور گمان سے قرار دی گئی ہے۔ مگر دساتیر تین سنکھ سے کچھ زیادہ اپنی مدت ظہور آپ
بیان کرتا ہے بلکہ یہ تو ہم نے ڈرتے ڈرتے لکھا ہے وہاں تو سنکھوں کی حد سے زیادہ
تین صفر اور بھی درمیان ہیں۔ یہ کتاب ان روحانیات کو جو کواکب اور سموات سے تعلق
رکھتی ہیں نہ صرف ملائک قرار دیتی ہیں بلکہ اُن کی پرستش کے لئے بھی تاکید کرتی ہے۔ ایسا ہی
وید بھی اُن روحانیات کو صرف وسائط اور درمیانی خدمتگزار نہیں مانتا بلکہ جا بجا اُن کی

* ملائک اس معنی سے ملائک کہلاتے ہیں کہ وہ ملاک اجرام سماویہ اور ملاک اجسام الارض ہیں یعنی ان کے
قیام اور بقا کیلئے روح کی طرح ہیں اور نیز اس معنے سے بھی ملائک کہلاتے ہیں کہ وہ رسولوں کا کام دیتے ہیں۔ منہ

اُستت اور جہا کرتا ہے اور اُن سے مرادیں مانگنے کی تعلیم دیتا ہے اور ممکن ہے کہ ان کتابوں میں تحریف اور الحاق کے طور پر یہ پُر کفر تعلیمیں زائد کی گئی ہوں جیسی ویدمیں۔ ایسی اور بھی بہت سی بے جا تعلیمیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ تعلیم کہ اس جہان کا کوئی خالق نہیں ہے اور ہر ایک چیز اپنے اصل مادہ اور اصل حیات کے رو سے قدیم اور واجب الوجود اور اپنے وجود کی آپ ہی خدا ہے یا یہ تعلیم کہ کسی وجود کو تناسخ کے منحوس چکّر سے کبھی اور کسی زمانہ میں مخلصی حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ یا یہ تعلیم کہ ایک شوہر دار عورت اولاد نرینہ نہ ہونے کی حالت میں کسی غیر آدمی سے ہم بستر ہو سکتی ہے تا اس سے اولاد حاصل کرے۔ یا یہ تعلیم کہ بڑے بڑے مقدس لوگ بھی گو وید کے ہی رِشی کیوں نہ ہوں جن پر چاروں وید اُترے ہوں ہمیشہ کی نجات کبھی نہیں پا سکتے اور نہ لازمی طور پر ہمیشہ بزرگوار اور عزت کے ساتھ یاد کرنے کے لائق ٹھہر سکتے ہیں بلکہ ممکن ہے کہ تناسخ کے چکّر میں آ کر اور اور جانداروں کی طرح کچھ کا کچھ بن جائیں بلکہ شاید بن گئے ہوں اور اُن کے زعم میں خواہ کوئی انسان اوتاروں سے بھی زیادہ مرتبہ رکھتا ہو یا وید کے رشیوں سے بھی بڑھ کر ہو اس کے لئے ممکن بلکہ قانون قدرت کے رُو سے ضروری پڑا ہوا ہے کہ کسی وقت وہ کیڑا مکوڑا یا نہایت مکروہ اور قابل نفرت جانور بن کر کسی خسیس مخلوق کی نوع میں جنم لیوے۔ یہ سب باطل تعلیمیں ہیں جو انسانوں کے رذیل خیالات نے ایجاد کی ہیں۔ اور جن لوگوں نے یہ تمام بے شرمی کے کام اور دُور از عزت انتقالات اپنے بنی نوع بلکہ اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کے لئے جائز رکھے ہیں انہوں نے یہ بھی جائز رکھ لیا کہ کواکب کی روحوں سے مرادیں مانگی جائیں اُنکی ایسی پرستش کی جائے جیسی خدا تعالےٰ کی کرنی چاہیئے۔ لیکن قرآن شریف جو ہر یک طور سے توحید اور تہذیب کی راہ کھولتا ہے اُس نے ہرگز روا نہیں رکھا کہ اس کے ساتھ کسی مخلوق کی پرستش ہو یا اس کی ربوبیت کی قدرت صرف ناقص اور ناکارہ طور پر تسلیم کریں اور اس کو ہر یک چیز کا مبدا اور سرچشمہ نہ ٹھہرائیں یا کوئی اور بے شرمی کا کام

ص ۲۵
ص ۲۶

اپنے طریقِ معاشرت میں داخل کر لیں۔

اب پھر میں ملائک کے ذکر کی طرف عود کر کے کہتا ہوں کہ قرآن شریف نے جس طرز سے
ملائک کا حال بیان کیا ہے وہ نہایت سیدھی اور قریب قیاس راہ ہے اور بجز اس کے ماننے ص۳۴
کے انسان کو کچھ بن نہیں پڑتا۔ قرآن شریف پر بدیدہ تعمق غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ انسان بلکہ جمیع کائنات الارض کی تربیت ظاہری و باطنی کیلئے بعض وسائط کا ہونا ضروری
ہے اور بعض بعض اشارات قرآنیہ سے نہایت صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض وہ نفوس طیبہ
جو ملائک سے موسوم ہیں اُن کے تعلقات طبقاتِ سماویہ سے الگ الگ ہیں بعض اپنی تاثیراتِ خاصہ
سے ہوا کے چلانے والے اور بعض مینہ کے برسانے والے اور بعض بعض اور تاثیرات کو
زمین پر اُتارنے والے ہیں۔ پس اس میں کچھ شک نہیں کہ بوجہ مناسبت نوری وہ نفوس طیبہ
اُن روشن اور نورانی ستاروں سے تعلق رکھتے ہونگے کہ جو آسمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر
اس تعلق کو ایسا نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جیسے زمین کا ہر یک جاندار اپنے اندر جان رکھتا ہے۔ بلکہ
اُن نفوس طیبہ کو بوجہ مناسبت اپنی نورانیت اور روشنی کے جو روحانی طور پر انہیں حاصل ہے
روشن ستاروں کے ساتھ ایک مجہول الکنہ تعلق ہے اور ایسا شدید تعلق ہے کہ اگر اُن ص۳۵
نفوس طیبہ کا اُن ستاروں سے الگ ہونا فرض کر لیا جائے تو پھر اُن کے تمام قویٰ میں
فرق پڑ جائے گا انہیں نفوس کے پوشیدہ ہاتھ کے زور سے تمام ستارے اپنے اپنے کام
میں مصروف ہیں اور جیسے خدا تعالیٰ تمام عالم کے لئے بطور جان کے ہے ایسا ہی (مگر اس جگہ
تشبیہ کامل مراد نہیں) وہ نفوس نورانیہ کواکب اور سیارات کے لئے جان کا ہی حکم رکھتے
ہیں اور اُن کے جدا ہو جانے سے اُن کی حالت وجودیہ میں بکلی فساد راہ پا جانا لازمی و ضروری
امر ہے۔ اور آج تک کسی نے اس امر میں اختلاف نہیں کیا کہ جس قدر آسمانوں میں سیارات
اور کواکب پائے جاتے ہیں وہ کائنات الارض کی تکمیل و تربیت کے لئے ہمیشہ کام میں مشغول
ہیں۔ غرض یہ نہایت سچی ہوئی اور ثبوت کے چرخ پر چڑھی ہوئی صداقت ہے کہ تمام نباتات

اور جمادات اور حیوانات پر آسمانی کواکب کا دن رات اثر پڑ رہا ہے اور جاہل سے جاہل ایک دہقان بھی اس قدر تو ضرور یقین رکھتا ہوگا کہ چاند کی روشنی پھلوں کے موٹا کرنے کیلئے اور سورج کی دھوپ اُنکو پکانے اور شیریں کرنے کے لئے اور بعض ہوائیں بکثرت پھل آنے کے لئے بلاشبہ مؤثر ہیں۔ اب جبکہ ظاہری سلسلہ کائنات کا ان چیزوں کی تاثیرات مختلفہ سے تربیت پا رہا ہے تو اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ باطنی سلسلہ پر بھی باذنہٖ تعالیٰ وہ نفوس نورانیہ اثر کر رہی ہیں جن کا اجرام نورانیہ سے ایسا شدید تعلق ہے کہ جیسے جان کو جسم سے ہوتا ہے۔　　۳۹

اب اس کے بعد یہ بھی جاننا چاہیئے کہ اگرچہ بظاہر یہ بات نہایت دُور از ادب معلوم ہوتی ہے کہ خداتعالیٰ نے اور اس کے مقدس نبیوں میں افاضہ انوار وحی کے لئے کوئی اور واسطہ تجویز کیا جائے لیکن ذرا غور کرنے سے بخوبی سمجھ آجائے گا کہ اس میں کوئی سُوءِ ادب کی بات نہیں بلکہ سراسر خداتعالیٰ کے اس عام قانونِ قدرت کے مطابق ہے جو دنیا کے ہر یک چیز کے متعلق کھلے کھلے طور پر مشہود و محسوس ہو رہا ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بھی اپنے ظاہری جسم اور ظاہری قویٰ کے لحاظ سے انہیں وسائط کے محتاج ہیں۔ اور نبی کی آنکھ بھی گو کیسی ہی نورانی اور بابرکت آنکھ ہے مگر پھر بھی عوام کی آنکھوں کی طرح آفتاب یا اس کے کسی دوسرے قائم مقام کے بغیر کچھ دیکھ نہیں سکتے اور بغیر توسط ہوا کے کچھ سُن نہیں سکتے۔ لہٰذا یہ بات بھی ضروری طور پر ماننی پڑتی ہے کہ نبی کی روحانیت پر بھی ان سیارات کے نفوس نورانیہ کا ضرور اثر پڑتا ہوگا بلکہ سب سے زیادہ اثر پڑتا ہوگا۔ کیونکہ جس قدر استعداد صافی اور کامل ہوتی ہے اُسی قدر اثر بھی صافی اور کامل طور پر پڑتا ہے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ یہ سیارات اور کواکب اپنے اپنے قالبوں کے متعلق ایک ایک روح رکھتے ہیں جن کو نفوس کواکب سے بھی نامزد کر سکتے ہیں اور جیسے کواکب اور سیاروں میں باعتبار اُن کے قالبوں کے طرح طرح کے خواص پائے جاتے ہیں جو زمین کی ہر ایک چیز پر حسب استعداد اثر ڈال رہے ہیں ایسا ہی اُن کے نفوس نورانیہ میں بھی انواع اقسام کے　　۴۰

خواص ہیں جو باذن حکیم مطلق کائنات الارض کے باطن پر اپنا اثر ڈالتے ہیں اور یہی نفوس نورانیہ کامل بندوں پر بشکل جسمانی متشکل ہو کر ظاہر ہو جاتے ہیں اور بشری صورت سے متمثل ہو کر دکھائی دیتے ہیں۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ تقریر از قبیل خطابیات نہیں بلکہ یہ وہ صداقت ہے جو طالب حق اور حکمت کو ضرور ماننی پڑے گی۔ کیونکہ جب ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ضرور کائنات الارض کی تربیت اجرام سماویہ کی طرف سے ہو رہی ہے اور جہاں تک ہم بطور استقراء اجسام ارضیہ پر نظر ڈالتے ہیں اس تربیت کے آثار ہر یک جسم پر خواہ وہ نباتات میں سے ہے خواہ جمادات میں سے خواہ حیوانات میں سے ہے بدیہی طور پر ہمیں دکھائی دیتے ہیں۔ پس اس صریح تجربہ کے ذریعہ سے ہم اس بات کے ماننے کے لئے بھی مجبور ہیں کہ روحانی کمالات اور دل اور دماغ کی روشنی کا سلسلہ بھی جہاں تک ترقی کرتا ہے بلاشبہ ان نفوس نورانیہ کا اس میں بھی دخل ہے۔ اسی دخل کی رو سے شریعت غرّا نے استعارہ کے طور پر اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولوں میں ملائک کا واسطہ ہونا ایک ضروری امر ظاہر فرمایا ہے۔ جس پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے گردانا گیا ہے۔ جن لوگوں نے اپنی نہایت ہی مکروہ نادانی سے اس الٰہی فلسفہ کو نہیں سمجھا جیسے آریہ مذہب والے یا برہمو مذہب والے۔ انہوں نے جلدی سے بباعث اپنی بے وجہ بخل اور بغض کے جو اُن کے دلوں میں بھرا ہوا ہے تعلیم فرقانی پر یہ اعتراض جڑ دیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں میں ملائک کا واسطہ ضروری ٹھہراتا ہے اور اس بات کو نہ سمجھا اور نہ خیال کیا کہ خدا تعالےٰ کا عام قانون تربیت جو زمین پر پایا جاتا ہے اسی قاعدہ پر مبنی ہے۔ ہندوؤں کے رشی جن پر بقول ہندوؤں کے چاروں وید نازل ہوئے کیا وہ اپنی جسمانی قویٰ کے ٹھیک ٹھیک طور پر قائم رہنے میں تاثیرات اجرام سماویہ کے محتاج نہیں تھے کیا وہ بغیر آفتاب کی روشنی کے صرف آنکھوں کی روشنی سے دیکھنے کا کام لے سکتے تھے یا بغیر ہوا کے ذریعہ کے کسی آواز کو سن سکتے تھے تو اس کا جواب بدیہی طور پر یہی ہوگا کہ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ بھی اجرام سماویہ کی تربیت اور تکمیل کے بہت محتاج تھے۔ ہندوؤں کے

ویدوں نے ان ملائک کے بارے میں کہاں انکار کیا ہے بلکہ انہوں نے تو ان وسائط کے ماننے اور قابل قدر جاننے میں بہت ہی غلو کیا ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے درجہ تک ان کا درجہ برابر ٹھہرا دیا ہے۔ ایک رگوید پر ہی نظر ڈال کر دیکھو کہ کس قدر اُس میں اجرام سماویہ اور عناصر کی پرستش موجود ہے اور کیسی اُن کی اُستت اور مہما اور مدح اور ثنا میں ورقوں کے ورق سیاہ کر دئیے ہیں اور کس عاجزی اور گڑگڑانے سے اُن سے دعائیں مانگی گئی ہیں جو قبول بھی نہیں ہوئیں۔ مگر شریعت فرقانی نے تو ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اُن نفوس نورانیہ کو جو اجرام سماویہ سے یا عناصر یا دُخانات سے ایسا تعلق رکھتے ہیں جیسے جان کا جسم سے تعلق ہوتا ہے صرف ملائک یا جنّات کے نام سے موسوم کیا ہے اور اُن نورانی فرشتوں کو جو نورانی ستاروں اور سیاروں پر اپنا مقام رکھتے ہیں۔ اپنی ذات پاک میں اور اپنے رسولوں میں ایسے طور کا واسطہ نہیں ٹھہرایا جس کے رُو سے اُن فرشتوں کو با اقتدار یا با اختیار مان لیا جاوے بلکہ اُن کو اپنی نسبت ایسا ظاہر فرمایا ہے کہ جیسے ایک بے جان چیز ایک زندہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے جس سے وہ زندہ جس طور سے کام لینا چاہتا ہے لیتا ہے۔ اسی بنا پر بعض مقامات قرآن شریف میں اجسام کے ہر یک ذرہ پر بھی ملائک کا نام اطلاق کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ سب ذرات اپنے رب کریم کی آواز سُنتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو اُنکو حکم دیا گیا ہو مثلاً جو کچھ تغیرات بدن انسان میں مرض کی طرف یا صحت کی طرف ہوتے ہیں اُن تمام مواد کا ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق آگے پیچھے قدم رکھتا ہے۔

اب ذرا آنکھ کھول کر دیکھ لینا چاہیئے کہ اس قسم کے وسائط کے ماننے میں جو قرآن شریف میں قرار دئیے گئے ہیں کونسا شرک لازم آتا ہے اور خدا تعالیٰ کی شان قدرت میں کونسا فرق آجاتا ہے۔ بلکہ یہ تو اسرار معرفت و دقائق حکمت کی وہ باتیں ہیں جو قانون قدرت کے صفحہ صفحہ میں لکھی ہوئی نظر آتی ہیں اور بغیر اس انتظام کے ماننے کے خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ ثابت ہی نہیں ہو سکتی اور نہ اُس کی خدائی چل سکتی ہے۔ بھلا جب تک ذرہ ذرہ اُس کا

فرشتہ بلکہ اس کی اطاعت میں نہ لگا ہوا ہو تب تک یہ سارا کارخانہ اُس کی مرضی کے موافق کیونکر چل سکتا ہے؟ کوئی ہمیں سمجھائے تو سہی۔ اور نیز اگر ملائک سماویہ کے نظام روحانی سے خداتعالےٰ کی قادرانہ شان پر کچھ دھبہ لگ سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں ملائک کے نظام جسمانی کے ماننے سے کہ جو نظام روحانی کا بعینہٖ ہمرنگ و ہمشکل ہے خداتعالےٰ کی قدرت کاملہ پر کوئی دھبہ نہیں لگ سکتا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آریہ وغیرہ ہمارے مخالفوں نے فرط نابینائی سے ایسے ایسے بے جا اعتراضات کر دیئے ہیں جن کی اصل بنا بہت سے مشرکانہ حواشی کے ساتھ اُن کے گھر میں بھی موجود ہے اور ناحق بوجہ اپنی بے بصیرتی کے ایک عمدہ صداقت کو بطالت کی شکل میں سمجھ لیا ہے ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد　　عیب نماید ہنرش در نظر

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلامی شریعت کے رُو سے خواص ملائک کا درجہ خواص بشر سے کچھ زیادہ نہیں بلکہ خواص الناس خواص الملائک سے افضل ہیں۔ اور نظام جسمانی یا نظام روحانی میں اُن کا وسائط قرار پانا اُن کی فضیلت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ قرآن شریف کی ہدایت کے رُو سے وہ خدام کی طرح اس کام میں لگائے گئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ[1] یعنی وہ خدا جس نے سورج اور چاند کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے۔ مثلاً دیکھنا چاہیئے کہ ایک چٹھی رسان ایک شاہ وقت کی طرف سے اُس کے کسی ملک کے صوبہ یا گورنر کی خدمت میں چٹھیاں پہنچا دیتا ہے تو کیا اس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ چٹھی رسان جو اس بادشاہ اور گورنر جنرل میں واسطہ ہے گورنر جنرل سے افضل ہے۔ سو خوب سمجھ لو یہی مثال اُن وسائط کی ہے جو نظام جسمانی اور روحانی میں قادر مطلق کے ارادوں کو زمین پر پہنچاتے اور اُن کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ اللہ جلشانہٗ قرآن شریف کے کئی مقامات میں تصریح ظاہر فرماتا ہے کہ جو کچھ زمین و آسمان میں پیدا کیا گیا ہے وہ تمام چیزیں اپنے وجود میں انسان کی طفیلی ہیں یعنی محض انسان کے

[1] ابراہیم: ۳۴

فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور انسان اپنے مرتبہ میں سب سے اعلیٰ و ارفع اور سب کا مخدوم ہے جس کی خدمت میں یہ چیزیں لگادی گئی ہیں جیساکہ وہ فرماتاہے وسخّرلکم الشمس والقمر دآئبین وسخّرلکم الّیل والنھار وآتٰکم مّن کل ما سالتموہ و ان تعدّوا نعمت اللہ لا تحصوھا[۹۱] ھوالذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً[۹۲] اور مسخر کیا تمہارے لئے سورج اور چاند کو جو ہمیشہ پھرنے والے ہیں یعنی جو باعتبار اپنی کیفیات اور خاصیات کے ایک حالت پر نہیں رہتے۔ مثلاً جو ربیع کے مہینوں میں آفتاب کی خاصیت ہوتی ہے وہ خزاں کے مہینوں میں ہرگز نہیں ہوتی۔ پس اس طور سے سورج اور چاند ہمیشہ پھرتے رہتے ہیں۔ کبھی اُن کی گردش سے بہار کا موسم آجاتا ہے اور کبھی خزاں کا۔ اور کبھی ایک خاص قسم کی خاصیتیں اُن سے ظہور پذیر ہوتی ہیں اور کبھی اس کے مخالف خواص ظاہر ہوتے ہیں پھر آگے فرمایا کہ مسخر کیا تمہارے لئے رات اور دن کو اور دیا تم کو ہر ایک چیز میں سے وہ تمام سامان جس کو تمہاری فطرتوں نے مانگا یعنی اُن سب چیزوں کو دیا جن کے تم محتاج تھے اور اگر تم خدا تعالےٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز گن نہیں سکوگے۔ وہ وہی خدا ہے جس نے جو کچھ زمین پر ہے تمہارے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور پھر ایک اور آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم[۹۳] یعنی انسان کو ہم نے نہایت درجہ کے اعتدال پر پیدا کیا ہے اور وہ اس صفت اعتدال[۹۴] میں تمام مخلوقات سے احسن و افضل ہے اور پھر ایک اور مقام میں فرماتا ہے کہ انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوماً جھولا[۹۵] یعنے ہم نے اپنی امانت کو جس سے مراد عشق و محبت الٰہی اور مورد ابتلاء ہو کر پھر پوری اطاعت کرنا ہے آسمان کے تمام فرشتوں اور زمین کی تمام مخلوقات اور پہاڑوں پر پیش کیا جو بظاہر قوی ہیکل چیزیں تھیں سو ان سب چیزوں نے اس امانت کے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اس کی عظمت کو دیکھ کر ڈر گئیں مگر انسان نے

(حاشیہ: ص۱۴۷، ص۱۴۸)

[۹۱] ابراہیم: ۳۴ [۹۲] البقرۃ: ۳۰ [۹۳] التین: ۵ [۹۴] [۹۵] احزاب: ۷۳

اس کو اُٹھالیا کیونکہ انسان میں یہ دو خوبیاں تھیں ایک یہ کہ وہ خدا تعالےٰ کی راہ میں اپنے نفس پر ظلم کر سکتا تھا۔ دوسری یہ خوبی کہ وہ خدا تعالےٰ کی محبت میں اس درجہ تک پہنچ سکتا تھا جو غیر اللہ کو بکلی فراموش کر دے۔ پھر ایک اور جگہ فرمایا۔ اذ قال ربك للملئكة انی خالق بشرا من طین فاذا سویته ونفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین فسجد الملئكة کلهم اجمعون الا ابلیس[1] یعنی یاد کرو وہ وقت کہ جب تیرے خدا نے (جس کا تو مظہر اتم ہے) فرشتوں کو کہا کہ میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں سو جب میں اُس کو کمال اعتدال پر پیدا کروں اور اپنی روح میں سے اُس میں پھونک دوں تو تم اُس کے لئے سجدہ میں گرو یعنی کمال انکسار سے اُسکی خدمت میں مشغول ہو جاؤ اور ایسی خدمتگذاری میں جھک جاؤ کہ گویا تم اُسے سجدہ کر رہے ہو پس سارے کے سارے فرشتے انسان مکمل کے آگے سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان جو اس سعادت سے محروم رہ گیا۔ جاننا چاہیئے کہ یہ سجدہ کا حکم اس وقت سے متعلق نہیں ہے کہ جب حضرت آدم پیدا کئے گئے بلکہ یہ علیحدہ ملائک کو حکم کیا گیا کہ جب کوئی انسان اپنے حقیقی انسانیت کے مرتبہ تک پہنچے اور اعتدال انسانی اس کو حاصل ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی روح اُس میں سکونت اختیار کرے تو تم اُس کامل کے آگے سجدہ میں گرا کرو یعنی آسمانی انوار کے ساتھ اُس پر اُترو اور اس پر صلوٰۃ بھیجو۔ سو یہ اُس قدیم قانون کی طرف اشارہ ہے جو خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کے ساتھ ہمیشہ جاری رکھتا ہے جب کوئی شخص کسی زمانہ میں اعتدال روحانی حاصل کر لیتا ہے اور خدا تعالےٰ کی روح اس کے اندر آباد ہوتی ہے یعنے اپنے نفس سے فانی ہو کر بقا باللہ کا درجہ حاصل کرتا ہے تو ایک خاص طور پر نزول ملائکہ کا اس پر شروع ہو جاتا ہے۔ اگرچہ سلوک کی ابتدائی حالات میں بھی ملائک اس کی نصرت اور خدمت میں لگے ہوئے ہوتے ہیں لیکن یہ نزول ایسا اتم اور اکمل ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم رکھتا ہے اور سجدہ کے لفظ سے خدا تعالےٰ نے یہ ظاہر کر دیا کہ ملائکہ انسان کامل سے افضل نہیں ہیں بلکہ وہ

[1] ص ۷۲ : ۷۳ - ۷۵

(حاشیہ: ۴۹ ، ۵۰)

شاہی خادموں کی طرح سجداتِ تعظیم انسان کامل کے آگے بجالا رہے ہیں۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ نے سورۃ الشمس میں نہایت لطیف اشارات و استعارات میں انسان کامل کے مرتبہ کو زمین آسمان کے تمام باشندوں سے اعلیٰ و برتر بیان فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلٰھا والنھار اذا جلّٰھا والیل اذا یغشٰھا والسماء وما بنٰھا والارض وما طحٰھا ونفس وما سوّٰھا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا کذبت ثمود بطغوٰھا[1] اذ انبعث اشقٰھا فقال لھم رسول اللّٰہ ناقۃ اللّٰہ وسقیٰھا فکذبوہ فعقروھا فدمدم علیھم ربھم بذنبھم فسوّٰھا ولا یخاف عقبٰھا۔ یعنے قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کی پیروی کرے اور قسم ہے دن کی جب اپنی روشنی کو ظاہر کرے اور قسم ہے اس رات کی جو بالکل تاریک ہو اور قسم ہے زمین کی اور اس کی جس نے اُسے بچھایا اور قسم ہے انسان کے نفس کی اور اس کی جس نے اُسے اعتدال کامل اور وضع استقامت کے جمیع کمالات متفرق عنایت کئے اور کسی کمال سے محروم نہ رکھا بلکہ سب کمالات متفرقہ جو پہلی قسموں کے نیچے ذکر کئے گئے ہیں اس میں جمع کر دئے اس طرح پر کہ انسان کامل کا نفس آفتاب اور اسکی دھوپ کا بھی کمال اپنے اندر رکھتا ہے اور چاند کے خواص بھی اس میں پائے جاتے ہیں کہ وہ اکتساب فیض دوسرے سے کر سکتا ہے۔ اور ایک نور سے بطور استفادہ اپنے اندر بھی نور لے سکتا ہے اور اس میں روز روشن[☆] کے بھی خواص موجود ہیں کہ جیسے محنت اور مزدوری کرنیوالے لوگ دن کی روشنی میں کماحقہٗ اپنے کاروبار کو انجام دے سکتے ہیں ایسا ہی حق کے طالب اور سلوک کی راہوں کو اختیار کرنیوالے انسان کامل کے نمونہ پر چل کر بہت آسانی اور صفائی سے اپنی مہمات دینیہ کو انجام دیتے ہیں سو وہ دن کی طرح اپنے تئیں بکمال صفائی ظاہر کر سکتا ہے اور ساری خاصیتیں دن کی اپنے اندر رکھتا ہے ☆

☆ حاشیہ۔ سورج بہ حکمت کاملہ الٰہی سات سو تیس تعینات میں اپنے تئیں متشکل کر کے دنیا پر

[1] الشمس: ۱-۱۶

ص۵۱　ص۵۲

اندھیری رات سے بھی انسان کامل کو ایک مشابہت ہے کہ وہ باوجود غایت درجہ کے انقطاع اور تبتّل کے جو اس کو منجانب اللہ حاصل ہے بہ حکمت و مصلحت الٰہی اپنی نفس کی ظلمانی خواہشوں کی طرف بھی کبھی کبھی متوجہ ہو جاتا ہے یعنے جو جو نفس کے حقوق انسان پر رکھے گئے ہیں جو بظاہر نورانیت کے مخالف اور مزاحم معلوم ہوتے ہیں جیسے کھانا پینا سونا اور بیوی کے حقوق ادا کرنا یا بچوں کی طرف التفات کرنا۔ یہ سب حقوق بجالاتا ہے اور کچھ تھوڑی دیر کے لئے اس تاریکی کو اپنے لئے پسند کر لیتا ہے نہ اس وجہ سے کہ اس کو حقیقی طور پر تاریکی کی طرف میلان ہے بلکہ اُس وجہ سے کہ خداوند علیم و حکیم اس کو اس طرف توجہ بخشتا ہے تا روحانی تعب و مشقت سے کسی قدر آرام پا کر پھر اُن مجاہدات شاقہ کے اٹھانے کے لئے تیار ہو جائے جیسا کہ کسی کا شعر ہے ؎

چشم شہباز کاردانانِ شکار ۔۔۔ از پئے کشادن ست گر دوختہ اند

سو اسی طرح یہ کامل لوگ جب غایت درجہ کی کوفت خاطر اور گدازش اور ہم و غم کے غلبہ کے وقت کسی قدر حظوظ نفسانیہ سے تمتع حاصل کر لیتے ہیں تو پھر جسم ناتوان اُن کا روح کی رفاقت کے لئے

مختلف قسموں کی تاثیرات ڈالتا ہے اور ہر یک تشکل کی وجہ سے ایک خاص نام اُسکو حاصل ہے اور یکشنبہ دوشنبہ سہ شنبہ وغیرہ درحقیقت باعتبار خاص خاص تعینات و لوازم و تاثیرات کے سورج کے ہی نام ہیں جب یہ لوازم خاصہ بولنے کے وقت ذہن میں ملحوظ نہ رکھے جائیں اور صرف مجرد اور اطلاقی حالت میں نام لیا جائے تو اس وقت سورج کہینگے لیکن جب اسی سورج کے خاص خاص لوازم اور تاثیرات اور مقامات ذہن میں ملحوظ رکھکر بولینگے تو اسکو کبھی دن کہینگے اور کبھی رات۔ کبھی اس کا نام اتوار رکھیں گے اور کبھی پیر اور کبھی ساون اور کبھی بھادوں کبھی اسوج کبھی کاتک۔ غرض یہ سب سورج کے ہی نام ہیں سو نفس انسانی بھی باعتبار مختلف تعینات اور مختلف اوقات و مقامات و حالات مختلف ناموں سے موسوم ہو جاتا ہے کبھی نفس زکیہ کہلاتا ہے اور کبھی امّارہ کبھی لوّامہ اور کبھی مطمئنّہ۔ غرض اس کے بھی اتنے ہی نام ہیں جس قدر سورج کے مگر بخوف طول اسی قدر بیان کرنا کافی سمجھا گیا۔ منہ

از سر نو قوی اور توانا ہو جاتا ہے اور اس تھوڑی سی محجوبیت کی وجہ سے بڑے بڑے مراحل نورانی طے کر جاتا ہے اور ماسوا اس کے نفس انسان میں رات کے اور دوسرے خواص دقیقہ بھی پائے جاتے ہیں جن کو علم ہیئت اور نجوم اور طبعی کی باریک نظر نے دریافت کیا ہے ایسا ہی انسان کامل کے نفس کو آسمان سے بھی مشابہت ہے۔ مثلاً جیسے آسمان کا پول اس قدر وسیع اور کشادہ ہے کہ کسی چیز سے پُر نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی ان بزرگوں کا نفس ناطقہ غایت درجہ کی وسعتیں اپنے اندر رکھتا ہے اور باوجود ہزارہا معارف و حقائق کے حاصل کرنے کے پھر بھی ما عرفناک کا نعرہ مارتا ہی رہتا ہے اور جیسے آسمان کا پول روشن ستاروں سے پُر ہے ایسا ہی نہایت روشن قوی اُس میں بھی رکھے گئے ہیں کہ جو آسمان کے ستاروں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایسا ہی انسان کامل کے نفس کو زمین سے بھی کامل مشابہت ہے یعنے جیسا کہ عمدہ اور اوّل درجہ کی زمین یہ خاصیت رکھتی ہے کہ جب اس میں تخم ریزی کی جائے اور پھر خوب قلبہ رانی اور آبپاشی ہو اور تمام مراتب محنت کشاورزی کے اُس پر پورے کر دیئے جائیں تو وہ دوسری زمینوں کی نسبت ہزار گونہ زیادہ پھل لاتی ہے اور نیز اس کا پھل بہ نسبت اور پھلوں کے نہایت لطیف اور شیریں و لذیذ اور اپنی کمیت اور کیفیت میں انتہائی درجہ تک بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کامل کے نفس کا حال ہے کہ احکام الٰہی کی تخم ریزی سے عجیب سرسبزی لے کر اس کے اعمال صالحہ کے پودے نکلتے ہیں اور ایسے عمدہ اور غایت درجہ کے لذیذ اُس کے پھل ہوتے ہیں کہ ہر یک دیکھنے والے کو خدا تعالیٰ کی پاک قدرت یاد آکر سبحان اللہ کہنا پڑتا ہے سو یہ آیت ونفس وما سوّٰىها صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ انسان کامل اپنے معنے اور کیفیت کے رُو سے ایک عالم ہے اور عالم کبیر کے تمام شیون و صفات و خواص اجمالی طور پر اپنے اندر جمع رکھتا ہے جیسا کہ اللہ جلشانہ نے شمس کے صفات سے شروع کر کے زمین تک جو ہماری سکونت کی جگہ ہے سب چیزوں کے خواص اشارہ کے طور پر بیان فرمائے۔

ص۵۵

ص۵۶

یعنی بطور قسموں کے اُن کا ذکر کیا بعد اس کے انسان کامل کے نفس کا ذکر فرمایا تا معلوم ہو کہ انسان کامل کا نفس اُن تمام کمالات متفرقہ کا جامع ہے جو پہلی چیزوں میں جن کی قسمیں کھائی گئیں الگ الگ طور پر پائی جاتی ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ خدا تعالیٰ نے ان اپنی مخلوق چیزوں کے جو اسکے وجود کے مقابل پر بے بنیاد و ہیچ ہیں کیوں قسمیں کھائیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام قرآن شریف میں یہ ایک عام عادت و سنت الٰہی ہے کہ وہ بعض نظری امور کے اثبات و احقاق کے لئے ایسے امور کا حوالہ دیتا ہے جو اپنے خواص کا عام طور پر بیّن اور کھلا کھلا اور بدیہی ثبوت رکھتے ہیں جیسا کہ اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہو سکتا کہ سورج موجود ہے اور اس کی دھوپ بھی ہے اور چاند موجود ہے اور وہ نور آفتاب سے حاصل کرتا ہے اور روز روشن بھی سب کو نظر آتا ہے اور رات بھی سب کو دکھائی دیتی ہے اور آسمان کا پول بھی سب کی نظر کے سامنے ہے اور زمین تو خود انسانوں کی سکونت کی جگہ ہے۔ اب چونکہ یہ تمام چیزیں اپنا اپنا کھلا کھلا وجود اور کھلے کھلے خواص رکھتی ہیں جن میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا اور نفس انسان کا ایسی چُھپی ہوئی اور نظری چیز ہے کہ خود اس کے وجود میں ہی صدہا جھگڑے برپا ہو رہے ہیں۔ بہت سے فرقے ایسے ہیں کہ وہ اس بات کو مانتے ہی نہیں کہ نفس یعنی روح انسان بھی کوئی مستقل اور قائم بالذات چیز ہے جو بدن کی مفارقت کے بعد ہمیشہ کے لئے قائم رہ سکتی ہے اور جو بعض لوگ نفس کے وجود اور اس کی بقا اور ثبات کے قائل ہیں وہ بھی اس کی باطنی استعدادات کا وہ قدر نہیں کرتے جو کرنا چاہیئے تھا بلکہ بعض تو اتنا ہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم صرف اسی غرض کے لئے دنیا میں آئے ہیں کہ حیوانات کی طرح کھانے پینے اور حظوظ نفسانی میں عمر بسر کریں۔ وہ اس بات کو جانتے بھی نہیں کہ نفس انسانی کس قدر اعلیٰ درجہ کی طاقتیں اور قوتیں اپنے اندر رکھتا ہے اور اگر وہ کسب کمالات کی طرف متوجہ ہو تو کیسے تھوڑے ہی عرصہ میں تمام عالم کے متفرق کمالات و فضائل و انوار پر ایک دائرہ کی طرح محیط ہو سکتا ہے۔ سو اللہ جلشانہٗ نے اس سورہ مبارکہ میں نفس انسان اور پھر اُس کے

بے نہایت خواص فاضلہ کا ثبوت دینا چاہا ہے پس اوّل اُس نے خیالات کو رجوع دلانے کے لئے شمس اور قمر وغیرہ چیزوں کے متفرق خواص بیان کر کے پھر نفس انسان کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ جامع اُن تمام کمالات متفرقہ کا ہے اور جس حالت میں نفس انسان میں ایسے اعلیٰ درجہ کے کمالات و خاصیات بہ تمامہا موجود ہیں جو اجرام سماویہ اور ارضیہ میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں تو کمال درجہ کی نادانی ہوگی کہ ایسے عظیم الشان اور مستجمع کمالات متفرقہ کی نسبت یہ وہم کیا جائے کہ وہ کچھ بھی چیز نہیں جو موت کے بعد باقی رہ سکے یعنی جبکہ یہ تمام خواص جو اِن مشہود و محسوس چیزوں میں ہیں جن کا مستقل وجود ماننے میں تمہیں[۵۹] کچھ کلام نہیں یہاں تک کہ ایک اندھا بھی دھوپ کا احساس کر کے آفتاب کے وجود کا یقین رکھتا ہے نفس انسان میں سب کے سب یکجائی طور پر موجود ہیں تو نفس کے مستقل اور قائم بالذات وجود میں تمہیں کیا کلام باقی ہے۔ کیا ممکن ہے کہ جو چیز اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں وہ تمام موجود بالذات چیزوں کے خواص جمع رکھتی ہو اور اس جگہ قسم کھانے کی طرز کو اس وجہ سے اللہ جلّشانہ نے پسند کیا ہے کہ قسم قائم مقام شہادت کے ہوتی ہے اسی وجہ سے حکام مجازی بھی جب دوسرے گواہ موجود نہ ہوں تو قسم پر انحصار کر دیتے ہیں اور ایک مرتبہ کی قسم سے وہ فائدہ اُٹھالیتے ہیں جو کم سے کم دو گواہوں سے اُٹھا سکتے ہیں سو چونکہ عقلاً و عرفاً و قانوناً و شرعاً قسم شاہد کے قائمقام سمجھی جاتی ہے۔ لہٰذا اسی بنا پر خدا تعالیٰ نے اِس جگہ شاہد کے طور پر اُس کو قرار دے دیا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ قسم ہے سورج کی اور اُس کی دھوپ کی درحقیقت اپنے مرادی معنے یہ رکھتا ہے کہ سورج اور اس کی دھوپ یہ دونوں نفس انسان کے موجود بالذات اور قائم بالذات ہونے کے شاہد حال ہیں۔ کیونکہ سورج میں[۶۰] جو جو خواص گرمی اور روشنی وغیرہ پائے جاتے ہیں یہی خواص مع شئے زائد انسان کے نفس میں بھی موجود ہیں مکاشفات کی روشنی اور توجہ کی گرمی جو نفوس کاملہ میں پائی جاتی ہے اُس کے عجائبات سورج کی گرمی

صفحہ ۵۹
صفحہ ۶۰

اور روشنی سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ سو جبکہ سورج موجود بالذات ہے تو جو خواص میں اُس کا ہم شکل اور ہم پلہ ہے بلکہ اس سے بڑھکر یعنی نفس انسان۔ وہ کیونکر موجود بالذات نہ ہوگا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کی پیروی کرے۔ اسکے مرادی معنے یہ ہیں کہ چاند اپنی اس خاصیت کے ساتھ کہ وہ سورج سے بطور استفادہ نور حاصل کرتا ہے نفس انسان کے موجود بالذات اور قائم بالذات ہونے پر شاہد حال ہے۔ کیونکہ جس طرح چاند سورج سے اکتساب نور کرتا ہے اسی طرح نفس انسان کا جو مستعد اور طالب حق ہے ایک دوسرے انسان کامل کی پیروی کرکے اس کے نور میں سے لے لیتا ہے اور اُسکے باطنی فیض سے فیضیاب ہو جاتا ہے بلکہ چاند سے بڑھ کر استفادہ نور کرتا ہے۔ کیونکہ چاند تو نور کو حاصل کرکے پھر چھوڑ بھی دیتا ہے مگر یہ کبھی نہیں چھوڑتا۔ پس جبکہ استفادہ نور میں یہ چاند کا شریک غالب ہے اور دوسری تمام صفات اور خواص چاند کے اپنے اندر رکھتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ چاند کو تو موجود بالذات اور قائم بالذات مانا جائے مگر نفس انسان کے مستقل طور پر موجود ہونے سے بکلی انکار کر دیا جائے۔ غرض اسی طرح خدا تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو جن کا ذکر نفس انسان کی پہلے قسم کھا کر کیا گیا ہے اپنے خواص کے رو سے شواہد اور ناطق گواہ قرار دیکر اس بات کیطرف توجہ دلائی ہے کہ نفس انسان واقعی طور پر موجود ہے اور اسی طرح ہر یک جگہ جو قرآن شریف میں بعض بعض چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں اُن قسموں سے ہر جگہ یہی مدعا اور مقصد ہے کہ تا امر بدیہہ کو اسرار مخفیہ کے لئے جو اُنکے ہم رنگ ہیں بطور شواہد کے پیش کیا جائے۔ لیکن اس جگہ یہ سوال ہوگا کہ جو نفس انسان کے موجود بالذات ہونے کے لئے قسموں کے پیرایہ میں شواہد پیش کئے گئے ہیں اُن شواہد کے خواص بدیہی طور پر نفس انسان میں کہاں پائے جاتے ہیں اور اس کا ثبوت کیا ہے کہ پائے جاتے ہیں۔ اس وہم کے رفع کرنے کے لئے اللہ جلشانہ اس کے بعد فرماتا ہے[۱]

فالهمها فجورها وتقوىها قد افلح من زكىها وقد خاب من دسىها

یعنے خدا تعالیٰ نے نفس انسان کو پیدا کرکے ظلمت اور نورانیت اور ویرانی اور سرسبزی کی

[۱] الشمس: ۹-۱۱

دونوں راہیں اُس کے لئے کھول دی ہیں جو شخص ظلمت اور فجور یعنے بدکاری کی راہیں اختیار کرے تو اُسکو اُن راہوں میں ترقی کے کمال درجہ تک پہنچایا جاتا ہے یہاں تک کہ اندھیری رات سے اُسکی سخت مشابہت ہو جاتی ہے اور بجز معصیت اور بدکاری اور پُر ظلمت خیالات کے اور کسی چیز میں اُس کو مزہ نہیں آتا۔ ایسے ہی ہم صحبت اُس کو اچھے معلوم ہوتے ہیں اور ایسے ہی شغل اس کے جی کو خوش کرتے ہیں اور اس کی بد طبیعت کے مناسب حال بدکاری کے الہامات اُس کو ہوتے رہتے ہیں یعنے ہر وقت بد چلنی اور بد معاشی کے ہی خیالات اُسکو سوجھتے ہیں کبھی اچھے خیالات اس کے دل میں پیدا ہی نہیں ہوتے اور اگر پرہیزگاری کا نورانی رستہ اختیار کرتا ہے تو اُس نور کو مدد دینے والے الہام اُسکو ہوتے رہتے ہیں یعنے خدا تعالےٰ اُس کے دلی نور کو جو تخم کی طرح اُس کے دل میں موجود ہے اپنے الہامات خاصہ سے کمال تک پہنچا دیتا ہے اور اُس کے روشن مکاشفات کی آگ کو افروختہ کر دیتا ہے تب وہ اپنے چمکتے ہوئے نور کو دیکھکر اور اس کے افاضہ اور استفادہ کی خاصیت کو آزما کر پورے یقین سے سمجھ لیتا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب کی نورانیت مجھ میں بھی موجود ہے اور آسمان کے وسیع اور بلند اور پُر کواکب ہونے کے موافق میرے سینہ میں بھی انشراح صدر اور عالی ہمتی اور دل اور دماغ میں ذخیرہ روشن قویٰ کا موجود ہے جو ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں تب اُسے اس بات کے سمجھنے کے لئے اور کسی خارجی ثبوت کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کے اندر سے ہی ایک کامل ثبوت کا چشمہ ہر وقت جوش مارتا ہے اور اُس کے پیاسے دل کو سیراب کرتا رہتا ہے۔ اور اگر یہ سوال پیش ہو۔ کہ سلوک کے طور پر کیونکر انسان نفسانی خواص کا مشاہدہ ہو سکے تو اس کے جواب میں اللہ جلشانہ فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا یعنے جس شخص نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور بکلی رذائل اور اخلاق ذمیمہ سے دست بردار ہو کر خدا تعالےٰ کے حکموں کے نیچے اپنے تئیں ڈال دیا وہ اُس مراد کو پہنچے گا اور اپنا نفس اس کو عالم صغیر کی طرح کمالاتِ متفرقہ کا مجمع نظر آئے گا۔

ﷺ

لیکن جس شخص نے اپنے نفس کو پاک نہیں کیا بلکہ بے جا خواہشوں کے اندر گاڑ دیا وہ اس مطلب کے پانے سے نامراد رہے گا۔ ماحصل اس تقریر کا یہ ہے کہ بلاشبہ نفس انسان میں وہ متفرق کمالات موجود ہیں جو تمام عالم میں پائے جاتے ہیں اور اُن پر یقین لانے کیلئے یہ ایک سیدھی راہ ہے کہ انسان حسب منشاء قانونِ الٰہی تزکیہ نفس کی طرف متوجہ ہو کیونکہ تزکیہ نفس کی حالت میں نہ صرف علم الیقین بلکہ حق الیقین کے طور پر اُن کمالات مخفیہ کی سچائی کھل جائے گی۔
پھر بعد اس کے اللہ جلشانہ ایک مثال کے طور پر ثمود کی قوم کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ انہوں نے بباعث اپنے جبلّی سرکشی کے اپنے وقت کے نبی کو جھٹلایا اور اس تکذیب کے لئے ایک بڑا بدبخت اُن میں سے پیش قدم ہوا۔ اس وقت کے رسول نے انہیں نصیحت کے طور پر کہا کہ ناقۃ اللہ یعنے خدا تعالیٰ کی[٦٥] اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی جگہ کا تعرض مت کرو۔ مگر انہوں نے نہ مانا اور اُونٹنی کے پاؤں کاٹے۔ سو اس جرم کی شامت سے اللہ تعالیٰ نے اُن پر موت کی مار ڈالی اور انہیں خاک سے ملا دیا اور خدا تعالیٰ نے اس بات کی کچھ بھی پرواہ نہ کی کہ اُن کے مرنے کے بعد اُن کی بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں اور بے کس عیال کا کیا حال ہوگا۔ یہ ایک نہایت لطیف مثال ہے جو خدا تعالیٰ نے انسان کے نفس کو ناقۃ اللہ سے مشابہت دینے کے لئے اس جگہ لکھی ہے مطلب یہ ہے کہ انسان کا نفس بھی درحقیقت اسی غرض کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تا وہ ناقۃ اللہ کا کام دیوے۔ اس کی فنا فی اللہ ہونے کی حالت میں خدا تعالیٰ اپنی پاک تجلّی کے ساتھ اُس پر سوار ہو جیسے کوئی اُونٹنی پر سوار ہوتا ہے۔ سو نفس پرست لوگوں کو جو حق سے منہ پھیر رہے ہیں تہدید اور انذار کے طور پر فرمایا کہ تم لوگ بھی قوم ثمود کی طرح ناقۃ اللہ کا سقیا یعنے اُس کے پانی پینے کی جگہ جو یاد الٰہی اور معارف الٰہی کا چشمہ ہے جس پر اس ناقہ کی زندگی موقوف ہے اس پر بند کر رہے ہو۔ اور نہ صرف بند بلکہ اس کے پَیر کاٹنے کی فکر میں ہو تا وہ[٦٦] خدا تعالیٰ کی راہوں پر چلنے سے بالکل رہ جائے سو اگر تم اپنی خیر مانگتے ہو تو

وہ زندگی کا پانی اُس پر بند مت کرو اور اپنی بے جا خواہشوں کے تیر و تبر سے اُس کے پَیر مت کاٹو۔ اگر تم ایسا کروگے اور وہ ناقہ جو خدا تعالےٰ کی سواری کے لئے تم کو دی گئی ہے مجروح ہوکر مر جائے گی تو تم بالکل نکمّے اور خشک لکڑی کی طرح متصوّر ہوکر کاٹ دیئے جاؤگے اور پھر آگ میں ڈالے جاؤگے اور تمہارے مرنے کے بعد خدا تعالےٰ تمہارے پس ماندوں پر ہرگز رحم نہیں کرے گا بلکہ تمہاری معصیت اور بدکاری کا وبال اُن کے بھی آگے آئیگا اور نہ صرف تم اپنے شامت اعمال سے مروگے بلکہ اپنے عیال و اطفال کو بھی اُسی تباہی میں ڈالوگے۔

اِن آیات بیّنات سے صاف صاف ثابت ہوگیا کہ خداوند کریم نے انسان کو سب مخلوقات سے بہتر اور افضل بنایا ہے اور ملائک اور کواکب اور عناصر وغیرہ جو کچھ انسان میں اور خدا تعالےٰ میں بطور وسائط کے دخیل ہوکر کام کر رہے ہیں وہ اُن کا درمیانی واسطہ ہونا اُن کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا اور وہ اپنے درمیانی ہونے کی وجہ سے انسان کو کوئی عزت نہیں بخشتے بلکہ خود اُن کو عزت حاصل ہوتی ہے کہ وہ ایسی شریف مخلوق کی خدمت میں لگائے گئے ہیں۔ سو درحقیقت وہ تمام خادم ہیں نہ مخدوم۔ اور اس بارہ میں حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند	تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ایں ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار	شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

[۸۶] اور پھر ہم بقیہ تقریر کی طرف عود کرکے کہتے ہیں کہ ملائک اللہ (جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کرچکے ہیں) ایک ہی درجہ کی عظمت اور بزرگی نہیں رکھتے نہ ایک ہی قسم کا کام انہیں سپرد ہے بلکہ ہر یک فرشتہ علیحدہ علیحدہ کاموں کے انجام دینے کے لئے مقرر

کیا گیا ہے۔ دنیا میں جس قدر تم تغیرات وانقلابات دیکھتے ہو یا جو کچھ ممکن قوۃ سے حیز فعل میں آتا ہے یا جس قدر ارواح واجسام اپنے کمالات مطلوبہ تک پہنچتے ہیں ان سب پر تاثیراتِ سماویہ کام کر رہی ہیں اور کبھی ایک ہی فرشتہ مختلف طور کی استعدادوں پر مختلف طور کے اثر ڈالتا ہے۔ مثلاً جبرائیل جو ایک عظیم الشان فرشتہ ہے اور آسمان کے ایک نہایت روشن نیّر سے تعلق رکھتا ہے اس کو کئی قسم کی خدمات سپرد ہیں۔ انہیں خدمات کے موافق جو اس کے نیّر سے لئے جاتے ہیں سو وہ فرشتہ اگرچہ ہر یک ایسے شخص پر نازل ہوتا ہے جو وحی الٰہی سے مشرف کیا گیا ہو (نزول کی اصل کیفیت جو صرف اثر اندازی کے طور پر ہے نہ واقعی طور پر یاد رکھنی چاہیئے)

لیکن اس کے نزول کی تاثیرات کا دائرہ مختلف استعدادوں اور مختلف ظروف کے لحاظ سے چھوٹی یا بڑی بڑی شکلوں پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ نہایت بڑا دائرہ اس کی روحانی تاثیرات کا وہ دائرہ ہے جو حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی سے متعلق ہے۔ اسی وجہ سے جو معارف وحقائق وکمالات حکمت و بلاغت قرآن شریف میں اکمل اور اتم طور پر پائے جاتے ہیں۔ یہ عظیم الشان مرتبہ اور کسی کتاب کو حاصل نہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے (جیسا کہ پہلے بھی ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں) کہ ہر یک فرشتہ کی تاثیر انسان کے نفس پر دو قسم کی ہوتی ہے۔ اوّل وہ تاثیر جو رحم میں ہونے کی حالت میں باذنہٖ تعالیٰ مختلف طور کے تخم پر مختلف طور کا اثر ڈالتی ہے۔ پھر دوسری وہ تاثیر جو بعد طیاری وجود کے اس وجود کی مخفی استعدادوں کو اپنے کمالات ممکنہ تک پہنچانے کے لئے کام کرتی ہے۔ اس دوسری تاثیر کو جب وہ نبی یا کامل ولی کے متعلق ہو وحی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور یوں ہوتا ہے کہ جب ایک مستعد نفس اپنے نور ایمان اور نور محبت کے کمال سے مبدءِ فیوض کے ساتھ دوستانہ تعلق پکڑ لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کی زندگی بخش محبت اس کی محبت پر پرتوہ انداز ہو جاتی ہے تو اس حد اور اس وقت تک جو کچھ انسان کو

آگے قدم رکھنے کے لئے مقدور حاصل ہوتا ہے۔ یہ دراصل اُس پنہانی تاثیر کا اثر ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے فرشتہ نے انسان کے رحم میں ہونے کی حالت میں کی ہوتی ہے پھر بعد اس کے جب انسان اُس پہلی تاثیر کی کشش سے یہ مرتبہ حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہی فرشتہ ازسرِ نو اپنا اثر نور سے بھرا ہوا اس پر ڈالتا ہے مگر یہ نہیں کہ اپنی طرف سے بلکہ وہ درمیانی خادم ہونے کی وجہ سے اُس نالی کی طرح جو ایک طرف سے پانی کو کھینچتی اور دوسری طرف اُس پانی کو پہنچا دیتی ہے خدا تعالےٰ کا نور فیض اپنے اندر کھینچ لیتا ہی پھر عین اُس وقت میں کہ جب انسان بوجہ اقتران محبتین روح القدس کی نالی کے قریب اپنے تئیں رکھ دیتا ہے معًا اس نالی میں سے فیض وحی اُس کے اندر گر جاتا ہے یا یوں کہو کہ اُس وقت جبرئیل اپنا نورانی سایہ اُس مستعد دل پر ڈال کر ایک عکسی تصویر اپنی اس کے اندر لکھ دیتا ہے۔ تب جیسے اُس فرشتہ کا جو آسمان پر مستقر ہے جبرئیل نام ہے اس عکسی تصویر کا نام بھی جبرئیل ہی ہوتا ہے یا مثلاً اُس فرشتہ کا نام روح القدس ہے تو عکسی تصویر کا نام بھی روح القدس ہی رکھا جاتا ہے۔ سو یہ نہیں کہ فرشتہ انسان کے اندر گھس آتا ہے بلکہ اُس کا عکس انسان کے آئینۂ قلب میں نمودار ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب تم نہایت مصفّٰی آئینہ اپنے مُنہ کے سامنے رکھ دوگے تو موافق دائرہ مقدار اُس آئینہ کے تمہاری شکل کا عکس بلا توقف اُس میں پڑے گا۔ یہ نہیں کہ تمہارا مُنہ اور تمہارا سر گردن سے ٹوٹ کر اور الگ ہو کر آئینہ میں رکھ دیا جائیگا بلکہ اس جگہ رہے گا جہاں رہنا چاہیئے صرف اس کا عکس پڑے گا اور عکس بھی ہر یک جگہ ایک ہی مقدار پر نہیں پڑے گا بلکہ جیسی جیسی وسعت آئینہ قلب ایسے کی ہوگی اُسی مقدار کے موافق اثر پڑے گا۔ مثلاً اگر تم اپنا چہرہ آرسی کے شیشہ میں دیکھنا چاہو کہ جو ایک چھوٹا سا شیشہ ایک قسم کی انگشتری میں لگا ہوتا ہے تو اگرچہ اس میں بھی تمام چہرہ نظر آئیگا مگر ہر ایک عضو اپنی اصلی مقدار سے نہایت چھوٹا ہو کر نظر آئیگا لیکن تم اپنے چہرہ کو ایک بڑے آئینہ میں دیکھنا چاہو جو تمہاری شکل کے پورے انعکاس کیلئے کافی ہی

مٹ

تو تمہارے تمام نقوش اور اعضاء چہرہ کے اپنے اصلی مقدار پر نظر آجائیں گے۔ پس یہی مثال جبریل کے تاثیرات کی ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ مرتبہ کے ولی پر بھی جبریل ہی تاثیر وحی کی ڈالتا ہے اور حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے دل پر بھی وہی جبریل تاثیر وحی کی ڈالتا رہا ہے۔ لیکن ان دونوں وحیوں میں وہی فرق مذکورہ بالا آرسی کے شیشے اور بڑے آئینہ کا ہے۔ یعنی اگرچہ بظاہر صورت جبریل وہی ہے اور اس کی تاثیرات بھی وہی مگر ہر ایک جگہ مادہ قابلہ ایک ہی وسعت اور صفائی کی حالت پر نہیں۔ اور یہ جو اس جگہ میں نے صفائی کا لفظ بھی لکھ دیا تو یہ اس بات کے اظہار کے لئے ہے کہ جبریلی تاثیرات کا اختلاف صرف کمیت کے ہی متعلق نہیں بلکہ کیفیت کے بھی متعلق ہے یعنے صفائی قلب جو شرط انعکاس ہے۔ تمام افراد ملہمین کے ایک ہی مرتبہ پر کبھی نہیں ہوتے جیسے تم دیکھتے ہو کہ سارے آئینے ایک ہی درجہ کی صفائی ہرگز نہیں رکھتے۔ بعض آئینے ایسے اعلیٰ درجہ کے آبدار اور مصفّٰی ہوتے ہیں کہ پورے طور پر جیسا کہ چاہیئے دیکھنے والے کی شکل اُن میں ظاہر ہو جاتی ہے اور بعض ایسے کثیف اور مکدر اور پُر غبار اور دُود آمیز جیسے ہوتے ہیں کہ صاف طور پر اُن میں شکل نظر نہیں آتی۔ بلکہ بعض ایسے بگڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ اگر مثلاً اُن میں دونوں لب نظر آویں تو ناک دکھائی نہیں دیتا اور اگر ناک نظر آگیا تو آنکھیں نظر نہیں آتیں۔ سو یہی حالت دلوں کے آئینہ کی ہے جو نہایت درجہ کا مصفّٰی دل ہے اس میں مصفا طور پر انعکاس ہوتا ہے اور جو کسی قدر مکدر ہے اُس میں اُسی قدر مکدر دکھائی دیتا ہے اور اکمل اور اتم طور پر یہ صفائی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کو حاصل ہے ایسی صفائی کسی دوسرے دل کو ہرگز حاصل نہیں۔

اِسی جگہ اس نکتہ کا بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ خدا تعالےٰ جو علت العلل ہے جس کے وجود کے ساتھ تمام وجودوں کا سلسلہ وابستہ ہے جب وہ کبھی مربیانہ یا قاہرانہ طور پر کوئی جنبش اور حرکت ارادی کسی امر کے پیدا کرنے کے لئے کرتا ہے تو وہ حرکت اگر تم اور

اکمل طور پر ہو تو جمیع موجودات کی حرکت کو مستلزم ہوتی ہے اور اگر بعض شیون کے لحاظ سے یعنے جزئی حرکت ہو تو اُسی کے موافق عالم کے بعض اجزاء میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ خدائے عزّوجلّ کے ساتھ اس کی تمام مخلوقات اور جمیع عالموں کا جو علاقہ ہے وہ اُس علاقہ سے مشابہ ہے جو جسم کو جان سے ہوتا ہے۔ اور جیسے جسم کے تمام اعضاء روح کے ارادوں کے تابع ہوتے ہیں اور جس طرف روح جھکتی ہے اُسی طرف وہ جھک جاتے ہیں یہی نسبت خدا تعالےٰ اور اُس کی مخلوقات میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ میں صاحب فصوص کی طرح حضرت واجب الوجود کی نسبت یہ تو نہیں کہتا کہ خلق الاشیاء وھو عینھا مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ خلق الاشیاء وھو کعینھا۔ ھذا العالم کصرح ممرّدٍ من قواریر وماءُ الطاقت العظمٰی یجری تحتھا ویفعل ما یرید یخیل فی عیون قاصرۃ کانھا ھو یحسبون الشمس والقمر والنجوم موثرات بذاتھا ولا موثر الا ھو۔

حکیم مطلق نے میرے پر یہ راز سربستہ کھول دیا ہے کہ یہ تمام عالم معہ اپنے جمیع اجزاء کے اس علت العلل کے کاموں اور ارادوں کی انجام دہی کے لئے سچ مچ اُس اعضاء کی طرح واقع ہے جو خود بخود قائم نہیں۔ بلکہ ہر وقت اس روح اعظم سے قوت پاتا ہے۔ جیسے جسم کی تمام قوتیں جان کی طفیل سے ہی ہوتی ہیں اور یہ عالم جو اُس وجود اعظم کے لئے قائم مقام اعضاء کا ہے بعض چیزیں اُس میں ایسی ہیں کہ گویا اُس کے چہرہ کا نور ہیں جو ظاہری یا باطنی طور پر اس کے ارادوں کے موافق روشنی کا کام دیتی ہیں اور بعض ایسی چیزیں ہیں کہ گویا اس کے ہاتھ ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ گویا اس کے پَیر ہیں اور بعض اُس کے سانس کی طرح ہیں۔ غرض یہ مجموعہ عالم خدا تعالےٰ کے لئے بطور ایک اندام کے واقعہ ہے اور تمام آب و تاب اس اندام کی اور ساری زندگی اُس کی اُسی روح اعظم سے ہے جو اس کی قیوم ہے اور جو کچھ اُس قیوم کی ذات میں ارادی حرکت

پیدا ہوتی ہے وہی حرکت اس اندام کے کُل اعضاء یا بعض میں جیسا کہ اُس قیوم کی ذات کا تقاضا ہو پیدا ہو جاتی ہے۔

اس بیان مذکورہ بالا کی تصویر دکھلانے کے لئے تخیلی طور پر ہم فرض کر سکتے ہیں کہ قیوم العالمین ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے لئے بے شمار ہاتھ بے شمار پیر اور ہر یک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لاانتہا عرض اور طول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں۔ اور کشش کا کام دے رہی ہے۔ یہ وہی اعضا ہیں جن کا دوسرے لفظوں میں عالم نام ہے جب قیوم عالم کوئی حرکت جزوی یا کلی کرے گا تو اُس کی حرکت کے ساتھ اُس کے اعضا میں حرکت پیدا ہو جانا ایک لازمی امر ہو گا۔ اور وہ اپنے تمام ارادوں کو انہیں اعضا کے ذریعہ سے ظہور میں لائے گا نہ کسی اور طرح سے۔ پس یہی ایک عام فہم مثال اِس روحانی امر کی ہے کہ جو کہا گیا ہے کہ مخلوقات کی ہر یک جزو خدا تعالیٰ کے ارادوں کی تابع اور اس کے مقاصد مخفیہ کو اپنے خادمانہ چہرہ میں ظاہر کر رہی ہے اور کمال درجہ کی اطاعت سے اُس کے ارادوں کی راہ میں محو ہو رہی ہے اور یہ اطاعت اس قسم کی ہرگز نہیں ہے جس کی صرف حکومت اور زبردستی پر بنا ہو۔ بلکہ ہر یک چیز کو خدا تعالیٰ کی طرف ایک مقناطیسی کشش پائی جاتی ہے اور ہر یک ذرہ ایسا بالطبع اس کی طرف جھکا ہوا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک وجود کے متفرق اعضاء اس وجود کی طرف جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ پس درحقیقت یہی سچ ہے اور بالکل سچ ہے کہ یہ تمام عالم اُس وجود اعظم کے لئے بطور اعضاء کے واقعہ ہے اور اسی وجہ سے وہ قیوم العٰلمین کہلاتا ہے کیونکہ جیسی جان اپنے بدن کی قیوم ہوتی ہے ایسا ہی وہ تمام مخلوقات کا قیوم ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو نظام عالم کا بالکل بگڑ جاتا۔

ہر یک ارادہ اُس قیوم کا خواہ وہ ظاہری ہے یا باطنی۔ دینی ہے یا دنیوی اسی

مخلوقات کے توسط سے ظہور پذیر ہوتا ہے اور کوئی ایسا ارادہ نہیں کہ بغیر ان وسائط کے زمین پر ظاہر ہوتا ہو۔ یہی قدیمی قانون قدرت ہے کہ جو ابتدا سے بندھا ہوا چلا آتا ہے مگر اُن لوگوں کی سمجھ پر سخت تعجب ہے کہ وہ ظاہری بارش ہونے کے لئے جو بادلوں کے ذریعہ سے زمین پر ہوتی ہے بخارات مائیہ کا توسط ضروری خیال کرتے ہیں اور خود بخود قدرت سے بغیر بادل کے بارش ہو جانا محال سمجھتے ہیں۔ لیکن الہام کی بارش کے لئے جو صاف دلوں پر ہوتی ہے ملائک کے بادلوں کا توسط جو عندالشرع ضروری ہے اُس پر جہالت کی نظر سے ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ بغیر ملائک کے توسط کے خود بخود الہام نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ بغیر توسط ہوا کے آواز سُن لینا خلاف قانون قدرت ہے مگر وہ ہوا جو روحانی طور پر خدا تعالیٰ کی آواز کو ملہموں کے دلوں تک پہنچاتی ہے اس قانون قدرت سے غافل ہیں۔ وہ اِس بات کو مانتے ہیں کہ ظاہری آنکھوں کی بصارت کے لئے آفتاب کی روشنی کی ضرورت ہے مگر وہ روحانی آنکھوں کے لئے کسی آسمانی روشنی کی ضرورت یقین نہیں رکھتے۔ ۵۸

اب جبکہ یہ قانون الٰہی معلوم ہو چکا کہ یہ عالم اپنے جمیع قویٰ ظاہری و باطنی کے ساتھ حضرت واجب الوجود کے لئے بطور اعضاء کے واقعہ ہے اور ہر یک چیز اپنے اپنے محل اور موقعہ پر اعضاء ہی کا کام دے رہی ہیں اور ہر یک ارادہ خدا تعالیٰ کا انہیں اعضاء کے ذریعہ سے ظہور میں آتا ہے۔ کوئی ارادہ بغیر اُن کے توسط کے ظہور میں نہیں آتا۔ تو اب جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی وحی میں جو پاک دلوں پر نازل ہوتی ہے جبریل کا تعلق جو شریعت اسلام میں ایک ضروری مسئلہ سمجھا گیا اور قبول کیا گیا ہے یہ تعلق بھی اُسی فلسفہ حقہ پر ہی مبنی ہے جس کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حسب قانون قدرت مذکورہ بالا یہ امر ضروری ہے کہ وحی کے القایا ملکہ وحی کے عطا کرنے کے لئے بھی کوئی مخلوق خدا تعالیٰ کے الہامی اور روحانی ارادہ کو بمنصہ ظہور

لانے کے لئے ایک عضو کی طرح بن کر خدمت بجالاوے جیسا کہ جسمانی ارادوں کے پورا کرنے کے لئے بجالا رہے ہیں۔ سو وہ وہی عضو ہے جس کو دوسرے[۹۰] لفظوں میں جبریل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جو بہ تبعیت حرکت اُس وجود اعظم کے سچ مچ ایک عضو کی طرح بلا توقف حرکت میں آجاتا ہے یعنے جب خدا تعالیٰ محبت کرنے والے دل کی طرف محبت کے ساتھ رجوع کرتا ہے تو حسب قاعدہ مذکورہ بالا جس کا ابھی بیان ہو چکا ہے جبریل کو بھی جو سانس کی ہوا یا آنکھ کے نور کی طرح خدا تعالیٰ سے نسبت رکھتا ہے اس طرف ساتھ ہی حرکت کرنی پڑتی ہے۔ یا یوں کہو کہ خدا تعالیٰ کی جنبش کے ساتھ ہی وہ بھی بلا اختیار و بلا ارادہ اُسی طور سے جنبش میں آجاتا ہے کہ جیسا کہ اصل کی جنبش سے سایہ کا ہلنا طبعی طور پر ضروری امر ہے۔ پس جب جبریلی نور خدا تعالیٰ کی کشش اور تحریک اور نفخہ نورانیہ سے جنبش میں آجاتا ہے تو معاً اُس کی ایک عکسی تصویر جس کو روح القدس کے ہی نام سے موسوم کرنا چاہیئے محبِ صادق کے دل میں منقّش ہو جاتی ہے۔ اور اس کی محبت صادقہ کا ایک عرض لازم ٹھہر جاتی ہے تب یہ قوت خدا تعالیٰ کے آواز سُننے کے لئے کان کا فائدہ بخشتی ہے اور اُس کے عجائبات[۹۱] کے دیکھنے کے لئے آنکھوں کی قائم مقام ہو جاتی ہے اور اُس کے الہامات زبان پر جاری ہونے کیلئے ایک ایسی محرّک حرارت کا کام دیتی ہے جو زبان کے پہیہ کو زور کے ساتھ الہامی خط پر چلاتی ہے اور جب تک یہ قوت پیدا نہ ہو اُس وقت تک انسان کا دل اندھے کی طرح ہوتا ہے اور زبان اُس ریل کی گاڑی کی طرح ہوتی ہے جو چلنے والے انجن سے الگ پڑی ہو لیکن یاد رہے کہ یہ قوت جو روح القدس سے موسوم ہے ہر یک دل میں یکساں اور برابر پیدا نہیں ہوتی بلکہ جیسے انسان کی محبت کامل یا ناقص طور پر ہوتی ہے اُسی اندازہ کے موافق یہ جبریلی نور اُس پر اثر ڈالتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ روح القدس کی قوت جو دونوں محبتوں کے ملنے سے

[۹۰] [۹۱]

انسان کے دل میں جبرئیلی نور کے پرتوہ سے پیدا ہو جاتی ہے اُس کے وجود کے لئے یہ امر لازم نہیں کہ ہر وقت انسان خدا تعالےٰ کا پاک کلام سنتا ہی رہے یا کشفی طور پر کچھ دیکھتا ہی رہے۔ بلکہ یہ تو انوار سماویہ کے پانے کے لئے اسباب قریبہ کی طرح ہے۔ یا یوں کہو کہ یہ ایک روحانی روشنی روحانی آنکھوں کے دیکھنے کے لئے یا ایک روحانی ہوا روحانی کانوں تک آواز پہنچانے کے لئے منجانب اللہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک کوئی چیز سامنے موجود نہ ہو مجرد روشنی کچھ دکھا نہیں سکتی۔ اور جب تک متکلم کے منہ سے کلام نہ نکلے مجرد ہوا کانوں تک کوئی خبر نہیں پہنچا سکتی۔ سو یہ روشنی یا ہوا روحانی حواس کے لئے محض ایک آسمانی مؤید عطا کیا جاتا ہے جیسے ظاہری آنکھوں کیلئے آفتاب کی روشنی اور ظاہری کانوں کے لئے ہوا کا ذریعہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور جب باری تعالیٰ کا ارادہ اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ اپنا کلام اپنے کسی ملہم کے دل تک پہنچاوے تو اس کی اس متکلمانہ حرکت سے معاً جبرئیلی نور میں القا کے لئے ایک روشنی کی موج یا ہوا کی موج یا ملہم کی تحریک لسان کے لئے ایک حرارت کی موج پیدا ہو جاتی ہے اور اُس تموج یا اس حرارت سے بلا توقف وہ کلام ملہم کی آنکھوں کے سامنے لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے یا کانوں تک اس کی آواز پہنچتی ہے یا زبان پر وہ الہامی الفاظ جاری ہوتے ہیں اور روحانی حواس اور روحانی روشنی جو قبل از الہام ایک قوت کی طرح ملتی ہے۔ یہ دونوں قوتیں اس لئے عطا کی جاتی ہیں کہ تا قبل از نزول الہام۔ الہام کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے۔ کیونکہ اگر الہام ایسی حالت میں نازل کیا جاتا کہ ملہم کا دل حواس روحانی سے محروم ہوتا یا روح القدس کی روشنی دل کی آنکھ کو پہنچی نہ ہوتی تو وہ الہام الٰہی کو کن آنکھوں کی پاک روشنی سے دیکھ سکتا۔ سو اسی ضرورت کی وجہ سے یہ دونوں پہلے ہی سے ملہموں کو عطا کی گئیں۔ اور اس تحقیق سے یہ بھی ناظرین سمجھ لیں گے کہ وحی کے متعلق جبرئیل کے تین کام ہیں۔

اوّل یہ کہ جب رحم میں ایسے شخص کے وجود کے لئے نطفہ پڑتا ہے جس کی فطرت کو اللہ جلشانہ اپنی رحمانیت کے تقاضا سے جس میں انسان کے عمل کو کچھ دخل نہیں ملہمانہ فطرت بنانا چاہتا ہے تو اُس پر اُسی نطفہ ہونے کی حالت میں جبریل نور کا سایہ ڈال دیتا ہے تب ایسے شخص کی فطرت منجانب اللہ الہامی خاصیت پیدا کرلیتی ہے اور الہامی حواس اُس کو مل جاتے ہیں۔

پھر دوسرا کام جبریل کا یہ ہے کہ جب بندہ کی محبت خدا تعالےٰ کی محبت کے زیر سایہ آپڑتی ہے تو خدا تعالےٰ کی مربیانہ حرکت کی وجہ سے جبریل نور میں بھی ایک حرکت پیدا ہو کر محبّ صادق کے دل پر وہ نور جا پڑتا ہے یعنے اُس نور کا عکس محبّ صادق کے دل پر پڑکر ایک عکسی تصویر جبریل کی اُس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جو ایک روشنی یا ہوا یا گرمی کا کام دیتی ہے اور بطور ملکۂ الہامیہ کے ملہم کے اندر رہتی ہے۔ ایک سرا اُس کا جبریل کے نور میں غرق ہوتا ہے اور دوسرا ملہم کے دل کے اندر داخل ہوتا ہے جس کو دوسرے لفظوں میں روح القدس یا اُس کی تصویر کہہ سکتے ہیں۔

تیسرا کام جبریل کا یہ ہے کہ جب خدا تعالےٰ کی طرف سے کسی کلام کا ظہور ہو تو ہوا کی طرح موج میں آکر اُس کلام کو دل کے کانوں تک پہنچا دیتا ہے یا روشنی کے پیرایہ میں افروختہ ہو کر اُس کو نظر کے سامنے کر دیتا ہے۔ یا حرارت محرکہ کے پیرایہ میں تیزی پیدا کر کے زبان کو الہامی الفاظ کی طرف چلا جاتا ہے۔

اس جگہ میں اُن لوگوں کا وہم بھی دور کرنا چاہتا ہوں جو ان شکوک اور شبہات میں مبتلا ہیں جو اولیاء اور انبیاء کے الہامات اور مکاشفات کو دوسرے لوگوں کی نسبت کیا خصوصیت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اگر نبیوں اور ولیوں پر امور غیبیہ کھلتے ہیں تو دوسرے لوگوں پر بھی کبھی کبھی کھل جاتے ہیں۔ بلکہ بعض فاسقوں اور غایت درجہ کے

بدکاروں کو بھی سچی خوابیں آجاتی ہیں۔ اور بعض پرلے درجہ کے بدمعاش اور شریر آدمی اپنے ایسے مکاشفات بیان کیا کرتے ہیں کہ آخر وہ سچے نکلتے ہیں۔ پس جبکہ اُن لوگوں کے ساتھ جو اپنے تئیں نبی یا کسی اور خاص درجہ کے آدمی تصور کرتے ہیں ایسے ایسے بدچلن آدمی بھی شریک ہیں جو بدچلنیوں اور بدمعاشیوں میں چھٹے ہوئے اور شہرۂ آفاق ہیں تو نبیوں اور ولیوں کی کیا فضیلت باقی رہی۔ سو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ درحقیقت یہ سوال جس قدر اپنی اصل کیفیت رکھتا ہے وہ سب درست اور صحیح ہے اور جبریلی نور کا چھیالیسواں حصہ تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے جس سے کوئی فاسق اور فاجر اور پرلے درجہ کا بدکار بھی باہر نہیں۔ بلکہ میں یہاں تک مانتا ہوں کہ تجربہ میں آچکا ہے کہ بعض اوقات ایک نہایت درجہ کی فاسقہ عورت جو کنجریوں کے گروہ میں سے ہے جس کی تمام جوانی بدکاری میں ہی گذری ہے کبھی سچی خواب دیکھ لیتی ہے۔ اور زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ ایسی عورت کبھی ایسی رات میں بھی کہ جب وہ بادہ بسرو آشنا ببر کا مصداق ہوتی ہے کوئی خواب دیکھ لیتی ہے اور وہ سچی نکلتی ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ جبریلی نور آفتاب کی طرح جو اُس کا ہیڈ کوارٹر ہے تمام معمورہ عالم پر حسب استعداد اُن کی اثر ڈال رہا ہے اور کوئی نفس بشر دنیا میں ایسا نہیں کہ بالکل تاریک ہو کم سے کم ایک ذرہ سی محبت وطن اصلی اور محبوب اصلی کی ادنیٰ سے ادنیٰ سرشت میں بھی ہے۔ اس صورت میں نہایت ضروری تھا کہ تمام بنی آدم پر یہاں تک کہ اُن کے مجانین پر بھی کسی قدر جبریل کا اثر ہوتا اور فی الواقعہ ہے بھی۔ کیونکہ مجانین بھی جن کو عوام الناس مجذوب کہتے ہیں اپنے بعض حالات میں بوجہ اپنے ایک طور کے انقطاع کے جبریلی نور کے نیچے جا پڑتے ہیں تو کچھ کچھ اُن کی باطنی آنکھوں پر اس نور کی روشنی پڑتی ہے جس سے وہ خدا تعالیٰ کے تصرفات خفیہ کو کچھ کچھ دیکھنے لگتی ہے مگر ایسی خوابوں یا ایسے مکاشفات

ص۹۶
ص۸۶

سے نبوت اور ولایت کو کچھ صدمہ نہیں پہنچتا اور اُن کی شان بلند میں کچھ بھی فرق نہیں آتا اور کوئی التباس حیران کرنے والا واقعہ نہیں ہوتا کیونکہ درمیان میں ایک ایسا فرق بیّن ہے کہ جو بدیہی طور پر ہر یک سلیم العقل سمجھ سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خواص اور عام کی خوابیں اور وہ مکاشفات اپنی کیفیت اور کمیت اتصالی وانفصالی میں ہرگز برابر نہیں ہیں۔ جو لوگ خدا تعالےٰ کے خاص بندے ہیں وہ خارق عادت کے طور پر نعمت غیبی کا حصہ لیتے ہیں۔ دنیا اُن نعمتوں میں جو اُنہیں عطا کی جاتی ہیں صرف ایسے طور کی شریک ہے۔ جیسے شاہ وقت کے خزانہ کے ساتھ ایک گدا دریوزہ گر ایک درم کے حاصل رکھنے کی وجہ سے شریک خیال کیا جائے لیکن ظاہر ہے کہ اس ادنےٰ مشارکت کی وجہ سے نہ بادشاہ کی شان میں کچھ شکست آسکتی ہے اور نہ اس گدا کی کچھ شانیں بڑھ سکتی ہے اور اگر ذرہ غور کر کے دیکھو تو یہ ذرہ مثال مشارکت ایک کرم شب تاب بھی جس کو پٹ بیجنا یا جگنو بھی کہتے ہیں آفتاب کے ساتھ رکھتا ہے۔ تو کیا وہ اس مشارکت کی وجہ سے آفتاب کی عزت میں سے کوئی حصہ لے سکتا ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ درحقیقت تمام فضیلتیں باعتبار اعلیٰ درجہ کے کمال کے جو کمیت اور کیفیت کے رُو سے حاصل ہو پیدا ہوتی ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک حرف کی شناخت سے ایک شخص فاضل اجل کا ہم پایہ ہو جائے گا۔ یا اتفاقاً ایک مصرعہ بن جانے سے بڑے بڑے شاعروں کا ہم پلہ کہلائے گا۔ ذرہ مثال شراکت سے کوئی نوع حکمت یا حکومت کی خالی نہیں۔ اگر ایک بادشاہ سارے جہان کی حکومت کرتا ہے تو ایسا ہی ایک مزدور آدمی اپنی جھونپڑی میں اپنے بچوں اور اپنی بیوی پر حاکم ہے۔ رہی یہ بات کہ خدا تعالےٰ نے نیک بختوں اور بدبختوں میں مشارکت کیوں رکھی اور تخم کے طور پر غافلین کے گروہ کو نعمت غیبی کا کیوں حصہ دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ الزام اور اتمام حجت کے لئے تا اس تخمی شراکت کی وجہ سے

ہریک منکر کاملوں کی حالت کا گواہ ہو جائے کیونکہ جب کہ وہ اپنے
چھوٹے سے دائرہ استعداد میں کچھ نمونہ اُن باتوں کا دیکھتا ہے جو
اُن کاملوں کی زبان سے سُنتا ہے پس اس تھوڑی سی جھلک کی وجہ
سے اِس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اپنے سچے دل سے اُن الہامی امور
کو بکلّی غیر ممکن سمجھے۔ سو وہ اس روحانی خاصیت کا ایک ذرا سا
نمونہ اپنے اندر رکھنے کی وجہ سے خدا تعالےٰ کے الزام کے نیچے ہے
جس کے رُو سے بحالت انکار وہ پکڑا جائے گا۔ جیسا کہ آج کل کے
آریہ خیال کر رہے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے چاروں ویدوں کو نازل کر کے
پھر یک لخت ہمیشہ کے لئے الہامات کی صف کو لپیٹ دیا ہے۔ مگر
خدا تعالےٰ کا قانونِ قدرت اُنہیں ملزم کرتا ہے جبکہ وہ بچشم خود
دیکھتے ہیں کہ یہ سلسلہ انکشافاتِ غیبیہ کا اب تک جاری ہے اور
اُن میں سے فاسق آدمی بھی کبھی کبھی سچی خوابیں دیکھ لیتے ہیں پس ظاہر
ہے کہ وہ خدا جس نے اپنا روحانی فیض نازل کرنے سے اس زمانہ کے
فاسقوں اور دنیا پرستوں کو بھی محروم نہیں رکھا اور اُن پر بھی باوجود
فقدان کامل مناسبت کے کبھی کبھی رشحاتِ فیض نازل کرتا ہے تو
اپنے نیک بندوں پر جو اُس کی مرضی پر چلیں اور اکمل اور اتم طور پر
اُس سے مناسبت رکھیں کیا کچھ نازل کرتا نہیں ہوگا۔ اور ایک بھید
اس تخمی مشارکت میں یہ ہے کہ تا ہریک شخص گو وہ کیسا ہی فاسق اور بدکار
یا کافر خونخوار ہو اس شارکت پر غور کرنے سے سمجھ لیوے کہ خدا تعالیٰ نے

۸۸

اُسے ہلاک کرنے کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ اُس نے اُس کے اندر ترقی کی راہ رکھی ہے اور اُس کو بھی تخم کے طور پر ایک نمود دیا ہے۔ جس میں وہ آگے قدم بڑھا سکتا ہے اور وہ فطرتاً خدایتعالےٰ کے خوانِ نعمت سے محروم نہیں ہیں۔ ہاں اگر آپ بے راہی اختیار کر کے اُس نور کو جو اُس کے اندر رکھا گیا ہے غیر مستعمل چھوڑ کر آپ محروم بن جائے اور اُن طبعی طریقوں کو جو نجات پانے کے طریق ہیں دیدہ و دانستہ چھوڑ دیوے تو یہ خود اُس کا ساختہ پرداختہ ہے جس کا بدنتیجہ اُسے بھگتنا پڑے گا ﴿

یاددہانی

جو کچھ ہم نے رسالہ فتح اسلام میں
الٰہی کارخانہ کے بارے میں جو خداوند عزّ وجل
کی طرف سے ہمارے سپرد ہوا ہے پانچ
شاخوں کا ذکر کر کے دینی مخلصوں اور اسلامی
ہمدردوں کی ضرورت امداد کے لئے لکھا ہے
اس کی طرف ہمارے بااخلاص اور پُرجوش
بھائیوں کو بہت جلد توجہ کرنی چاہیئے کہ تا
یہ سب کام باحسن طریق شروع ہو جائیں۔

الراقم

مرزا غلام احمدؐ از قادیان ضلع گورداسپور

اطلاع بخدمت علماءِ اسلام

جو کچھ اس عاجز نے مثیل مسیح کے بارے میں لکھا ہے یہ مضمون متفرق طور پر تین رسالوں میں درج ہے یعنے فتح اسلام اور توضیح مرام اور ازالہ اوہام میں پس مناسب ہے کہ جب تک کوئی صاحب اِن تینوں رسالوں کو غور سے نہ دیکھ لیں تب تک کسی مخالفانہ رائے ظاہر کرنے کے لئے جلدی نہ کریں ؛

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

الراقم

خاکسار مرزا غلام احمد